

جاسوسی دنیا نمبر ۹

پُر اسرارِ اجنبي

(مکمل ناول)

پیشہ

”پسر ارجمندی“ اپنے الجھے ہوئے واقعات کی بناء پر ایک انتہائی
دلچسپ ناول ہے۔ آپ اس میں دیکھیں گے کہ
جرائم کی خاص طبقے تک محدود نہیں۔ مصلح بھی مجرم ہو سکتا ہے۔
ایک ادیب بھی مجرم کر سکتا ہے۔

مجرم وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنہیں لوگ مصروف سمجھتے ہیں،
ہمارے آپ کے درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہیں سوسائٹی قطبی
بے ضرر سمجھتی ہے لیکن ان کے سیاہ کارناموں پر سے پردہ اٹھتے ہی دنیا
انگشت بدندراں رہ جاتی ہے۔ ایک انتہائی چالاک عورت جس کی ایک
بھی جیش ابرو پر بڑے بڑے مجرموں کے دل دل جاتے ہیں۔ اپنی
جنہی خواہشات کے طوفان میں گھر کر کس طرح بے بس اور مجبور
ہو جاتی ہے۔

..... اور پھر.....

ایک خوبصورت نوجوان کی دلاؤریز مسکراہٹ اس کے جلال و
جبروت کے طسم کو فتا کر دیتی ہے۔ وہ عورت جس نے قاتمکوں کے چکے
چھڑا رکھے ہوں..... وہ..... ایک حسین نوجوان کے قدموں میں بے
دست و پا پڑی تھی۔

اور..... وہ نوجوان؟

فریدی اور حمید اس ناول میں کیا کر رہے ہیں؟ اس کا جواب اس
ناول کے دلچسپ مطالعہ سے ملتا گا۔

پُر اسرارِ اجنبی

دلاور پور تھا تو اچھا خاصا بڑا قصبہ، لیکن پھر بھی اس کے مغربی سرے پر ایک چھوٹی سی انگریزی طرز کی خوبصورت عمارت کا وجود واقعی تجربہ انگریز تھا۔ دلاور پور ایک بہت پرانی بستی تھی۔ یہاں سے شہر تقریباً دس میل کی دوری پر تھا۔ یہاں زیادہ تر زمیندار آباد تھے، جن کے بڑے بڑے مکان جو پشت ہاپشت سے بطور میراث ختل ہوتے چلے آئے تھے آج بھی اپنی اصلی یا کچھ ٹکڑتھات میں موجود تھے۔ ان عمارتوں میں ایک انگریزی وضع کی عمارت کا وجود کچھ عجیب سالگلائی تھا اور اس میں رہنے والے مردوں زن لوگوں کی نظروں میں اس عمارت سے بھی عجیب تھے۔ یہاں سعید اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ سعید ایک خوبصورت اور خوش وضع انسان تھا۔ اس کے باپ کا شمار یہاں کے بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ اس نے سعید کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلینڈ بیٹھ دیا تھا جہاں وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تجارت اور صنعت و حرفت میں بھی لیتا رہا۔ صنعت و حرف میں اس کا خاص موضوع کاغذ بنانا تھا، تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ وہ مختلف قسم کے کاغذ بنانے کی ٹریننگ بھی لے رہا تھا۔ اس کے والد کو موقع تھی کہ وہ انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد کوئی بہت بڑی سرکاری طازمت پا جائے گا۔ لیکن اس کی والپی پرانیں اپنی آرزوؤں کا خون ہوتا دکھائی دیا۔ سعید نے طازمت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بجائے اس نے شہر میں کاغذ بنانے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ کھول دیا۔ حالانکہ اس کے باپ کو یہ بات بہت

تا گوارگز ری لیکن وہ اس پر اس کی مخالفت میں کچھ زور بھی نہ ڈال سکے کیونکہ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیا میں اس کے علاوہ ان کا تھا ہی کون۔ تیرہ اولادوں میں صرف وہی ایک بچا تھا۔ یہوی پہلے ہی مر پچھی تھی اور اب خاندان میں صرف بھی دو باپ بیٹے رہ گئے تھے۔

شروع شروع میں کارخانے اچھا خاصاً چلنا رہا۔ پھر اچانک نقصان ہوتا شروع ہو گیا۔ ادھر سعید کا باپ بھی یہاں پڑ گیا۔ اس کی علاالت کے سلسلے میں وہ کاروبار کی طرف کچھ دھیان نہ دے سکا۔ کارخانے کی حالت روز بروز ابتر ہوتی چاہی تھی۔ ادھر ان کی یہاں تک صورت اختیار کر لی، جس دن کارخانے میں نالا پڑا اس کے دوسرا ہی دن اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔

باپ کے مرنے کے بعد وہ بالکل تھارہ گیا۔ زمینداری کا سارا بازار بھی اس پر آپڑا۔ گوآدمی تھا ذہین، طبیعت نہ لگنے کے باوجود بھی اس نے کام میں بہت جلد مہارت حاصل کر لی۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی جدت پسند طبیعت نے اسے نہ کوئے دینے شروع کئے اور اس کے دل میں کاشت کاری کرنے کا بھوت سوار ہو گیا۔ ایک ٹریکٹر خریدا گیا۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کو کیجا کر کے ان کی چک بندی کی گئی۔ عمده عمده چ حاصل کئے گئے اور پھر سعید نے باقاعدہ کھتی باڑی شروع کر دی۔ وہ خود ٹریکٹر چلاتا۔ کھیتوں کی بیضاپی اور زرائی بھی خود ہی کرتا اور گاؤں والے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے۔ جس وقت وہ سوٹ پہنے من میں پائپ دبائے ٹریکٹر پر بیٹھے کر راستوں سے گزرتا تو لوگ اس کا متعجبہ اڑاتے۔ ہم چشم آوازے کئے لیں وہ نہ رانہ مانتا۔ رفتہ رفتہ وہ اس کے عادی ہو گئے۔

سعید ایک باغلائق اور سید حاسادا آدمی تھا۔ شروع شروع میں لوگ اس کی طرف بدھن ضرور تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی شرافت اور اخلاق نے سب کو اپنا گرد بیٹھا لیا اور پھر اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ ماحول سے بغاوت تھی۔ ہندوستان کی فضائیں وہ مغربی کسان کی طرح زندگی بر کر رہا تھا۔ یہ چیز عموم کے لئے جو بھی اور ہر عجیب چیز بہت جلد مشہور ہو جاتی ہے۔ بعض بے تکلف لوگ اسے خدا تعالیٰ کسان صاحب کہا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اسی نام سے مشہور ہو کیا۔ قسم میں جب بھی کسی کو گفتگو کے دوران میں اس کا حوالہ دیتا پڑتا تھا تو وہ اسے

کسان صاحب ہی کے نام سے یاد کرتا، اس میں طنز اور نہاد ق کا شایئہ بھی نہ ہوتا۔

کچھ دنوں بعد سعید نے گاؤں کے مغربی سرے پر شہر سے آنے والی سڑک سے کچھ دور ہٹ کر اس انگریزی طرز کی عمارت کی بنیاد ڈالی۔ اس عمارت کے نزدیک ہی اس نے ایک بہت بڑا اناج گھر بنوایا۔ ان دنوں عمارتوں کے گرد ایک بہت لمبا چوڑا میدان تھا۔ جہاں اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی عمارتیں بنائی گئی تھیں جن میں سراغیاں اور دودھ دینے والے جانوروں کے رکھے جانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ سڑک سے تمہوڑی ہی دور پر پیال کے بندلوں کے ڈھیر کے ڈھیر دھائی دیتے تھے۔ یہ دراصل اس کا کھلیان تھا۔ یہاں پوچھوں سے اناج الگ کرنے کے بعد ان کے بندل بنانا کر سیلیقے سے اوپر تلے چن دیئے جاتے تھے۔

اس نے مکان کی تعمیر کے بعد سعید نے اپنے آبائی مکان کو چھوڑ دیا اور مستقل طور پر سینیں آکر رہنے لگا۔ اس دوران میں اس نے شہر کی ایک تعلیم یافتہ لاکی سے شادی کر لی اور اس کی بیوی بھی اتفاق سے بالکل اسی کی طرح جدت پسند واقع ہوئی تھی۔

شادی کے سلسلے میں ایک بار پھر اسے خلافت کے طوفان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بھلا کسی خاندانی آدمی کی شادی کسی ایسے خاندان میں ہو، گاؤں کے لوگ کس طرح پسند کر لیتے، جس کے حسب و نسب ہی کا پتہ نہ ہو اور پھر اس پر تم یہ تھا کہ سعید اپنی بیوی کو بھی بے پردہ رکھتا تھا۔

آہستہ آہستہ یہ طوفان بھی دب گیا۔ یہاں بھی سعید کی شرافت کام آئی۔ وہ نہ ابھلا کہہ جانے کے باوجود بھی لوگوں سے اسی طرح ملتا رہا۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا رہا۔ کچھ دنوں بعد اسے نہ ابھلا کہنے والوں کی گرد نیں پھر جھک گئیں۔

اب دنوں میاں بیوی نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی بر کر رہے تھے۔ اس وقت رات کی تاریکی میں سفید عمارت کچھ عجیب کی لگ رہی تھی۔ دبکر کا مہینہ تھا۔ سردی اپنے شباب پر تھی حالانکہ ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے، لیکن سارے گاؤں پر کچھ اس طرح کا سکوت طاری تھا جیسے رات گزر گئی ہو۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے یا بھینوں کے ڈکرانے کی آوازیں سکوت کا سینہ چیرتی ہوئی دور تک لہر اتی چلی جاتیں اور پھر ان کی بازگشت سنائی دیتی۔

دفعاً شہر سے آنے والی سڑک پر کسی کار کی ہیئت لا یئش کی روشنی نظر آئی۔ کار تیزی سے

سرک سے اتر کر سعید کے مکان کی طرف بڑھنے لگی اور پھر وہ پیال کے بندلوں کے ایک ڈبیر سے اس طرح نکلا تائی کہ اس کا اگلا حصہ اس میں دھنستا چلا گیا۔ مشین بند کر دی گئی۔ ایک بھاری بھر کم آدمی کار سے اتر اور پیال کے بندل انٹھا انٹھا کار پر بچھنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری گاڑی اس میں چھپ کر رہا گئی۔ اس کام سے فراغت پا کر اس نے پیچے پلت کر دیکھا۔ کچھ دور پر اسے کسی دوسری کار کی روشنی دکھائی دی۔ وہ جھپٹ کر پیال کے ڈبیر کے پیچے چلا گیا۔ وہ آہستہ آہستہ دوڑتا ہوا سعید کے بنگلے کی طرف جا رہا تھا۔

آج سچھر کی رات تھی، اس نے سعید نے معمول کے مطابق سارے توکروں کو چھٹی دے دی تھی تاکہ وہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر رات بس رکریں۔ سچھر کی رات کو وہ ان توکروں کو بھی چھٹی دے دیا کرتا تھا جو رات وہیں بیٹھلے ہی میں بس رکرتے تھے۔ تھی کہ باور پی بھی سچھر کی شام کو رخصت کر دیا جاتا تھا۔ اس رات کا کھانا سعید کی بیوی خود تیار کیا کرتی تھی۔ آٹھنچھ رہے تھے، لیکن ابھی تک کھانا نہیں پک چکا تھا۔ سعید کھانے کے کمرے ہی میں اپنے حساب کتاب کے کاغذات انٹھا لایا کرتا تھا تاکہ وہاں بیٹھے بیٹھے اپنی بیوی سے فپ بھی لڑائے، جو باور پی بھی خاتون میں روئیاں پکا چکنے کے بعد سالم کی دیکھیوں کی دیکھے بھال کر رہی تھی۔

”بھی یہ گوشت تو گلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ آپ کو بھوک لگ رہی ہو گی۔“ سعید کی بیوی نے باور پی بھی خانے سے کہا۔

”پرواہ نہ کرو۔“ سعید نے حساب جوڑتے جوڑتے سر انٹھا کر کہا۔ ”چائے کا پانی رکھ دو تو بہتر ہے، مردی بہت ہے۔“

”اچھا.....!“

اور پھر برآمدے میں بھاری بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ سعید پوک پڑا۔ آواز لٹک پر لٹک تریب آتی جا رہی تھی۔ سعید سمجھا شاہزادہ اس کا کوئی رشتہ دار ہو گا۔

وھلنا ایک اجنبی کمرے میں داخل ہوا۔ سعید کھڑا ہو گیا۔ وہ اسے غصہ اور حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ آنے والا ایک او ہیز عمر کا آدمی تھا۔ اس نے ایک بہت عمده قسم کے کھنچت سرج کا سوت جھنچ رکھا تھا۔ اندراز سے کوئی جتوں اور پاؤقار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی شخصیت

میں سب سے عجیب چیز یہ تھی کہ وہ موناٹ ہونے کے باوجود بھی کافی بخاری بھر کم معلوم ہو رہا تھا۔

”میں اس بے وقت تکلیف دہی کی محاذی چاہتا ہوں۔“ اس نے نرم لمحہ میں کہا۔

”لیکن آپ کا اس طرح بغیر اجازت کسی کے گھر میں سکھ آنا کوئی ابھی بات نہیں۔“

سعید نے تکنی سے کہا۔

”مجبوری بھی کوئی چیز ہے۔“ ابھی پیش کر رہا نہیں ہوئے بولا۔

”آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”پناہ..... صرف ایک رات کے لئے۔“ ابھی بولا۔

انتہے میں سعید کی بیوی بھی آگئی۔ وہ بھی اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن شام کے ابھی اس کی موجودگی سے ناداقف تھا۔ وہ سعید کی طرف سوال نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”میں آپ کو جانتا نہیں۔“ سعید نے کہا۔ ”معلوم نہیں آپ کون ہیں کیسے ہیں؟“

”اس وقت میرے پاس اپنی شرافت کا کوئی ثبوت نہیں۔“ ابھی نے کہا اور پھر اپنی جیب سے نوٹوں کا ایک بڑا سا بندل ٹکال کر سعید کے سامنے میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں ایک رات آپ کی چھپت کے لئے بچنے کی یہ قیمت ادا کر سکتا ہوں۔“

سعید کبھی اسے دیکھتا تھا اور کبھی نوٹوں کے بندل کو۔

”کیا کوئی آپ کا تعاقب کر رہا تھا.....؟“ سعید نے پوچھا۔

”یہی سمجھ لے جئے۔“

”پولیس.....؟“ سعید نے سوال کیا۔

”تو کیا آپ مجھے بدمعاش ہی سمجھتے ہیں؟“ ابھی مسکرا کر بولا۔ وہ خود کو بہت زیادہ مطمئن اور پر سکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کا باہر بار مژہ مژہ کر برآمدے کی طرف دیکھنا اس کے خوفزدہ ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔

سعید نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور بدستور اسے گھوستا رہا۔

”بولئے کیا کہتے ہیں آپ.....؟“ ابھی بولا۔

”مجبوری ہے۔“ سعید نے جواب دیا۔

”تو پھر میں بھی مجبور ہوں۔“ ابھی جیب سے پستول نکال کر سعید کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

سعید کی بیوی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ابھی چونکہ کراس کی طرف مڑا۔

”اوہ..... مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی خاتون بھی تشریف رکھتی ہیں۔“ ابھی نے کہا

اور جلدی سے پستول جیب میں رکھ لیا۔

”خواتین کی موجودگی میں اس قسم کی حرکت غیر شریفانہ ہے۔“ ابھی ندامت آمیز لجھ

میں بولا۔ ”خیر اگر آپ بھی چاہتے ہیں کہ میں ہلاک کر دیا جاؤں تو میں جارہا ہوں۔“ ابھی اپنے
نوٹوں کا بندل دیں چھوڑ کر باہر جانے کے لئے واپس مڑا۔

سعید عجیب قسم کی ذہنی کھلش میں جلا تھا۔ اسے جاتے دیکھ کر بولا۔ ”نہ بھریے۔“

ابھی رُک گیا۔

”آپ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ آپ کون ہیں۔“ اس نے اکتائے ہوئے لجھ میں پوچھا۔

”یہ میں نہیں بتا سکتا۔“ ابھی نے کہا۔ ”لیکن جو لوگ میرا بیچھا کر رہے ہیں وہ اچھے آدمی
نہیں ہیں۔“

”تو آپ چاہتے کیا ہیں؟“

”آن کی نگاہوں سے چھپنا..... صرف آج رات کے لئے۔“ ابھی بولا۔

انتہے میں باہر موڑ کے رکنے کی آواز آئی۔

سعید گھبراہٹ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”وہ کیا ہے.....؟“ ابھی نے ایک چھوٹے سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

آدمی میں کئی قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

”کوئلے کی کھفری۔“ سعید نے جواب دیا۔

قدموں کی آہٹ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔

”اس میں باہر جانے کا کوئی راستہ ہے؟“

”ایک چھوٹی سی کھڑکی جو پشت پر میدان میں کھلتی ہے۔“ سعید نے جواب دیا۔

”ٹھیک.....!“ ابھی نے کہا اور دوڑ کر کوئلے کی کھفری میں گھس گیا۔

سعید نے نوٹوں کے بندل پر اپنی ہیئت رکھ دی اور اپنی پیوی کو بینٹنے کا اشارہ کر کے خود بھی بینٹ کر کچھ لکھنے لگا۔

وختا پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔

جب سے آگے کھڑا تھا، صورتِ محل کے اعتبار سے عجیب تھا۔ قد لمبا، جسم اکبر، آنکھیں چھوٹی چھوٹی، ناک طوٹے کی چونچ سے مشابہ، پیشانی چہرے کے ناسب کے اعتبار سے کافی اوپنی، آنکھوں کے کونے کے قریب کنھیوں پر ٹکنیں ابھری ہوئی تھیں۔ پتلے پتلے بینٹنے ہوئے ہوتوں سے سفا کی تپک رہی تھی۔ بقیہ چار آدمی دروازے کے قریب کھڑے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔

سعید انہیں دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ لوگ کون ہیں اور بغیر اجازت یہاں کیسے گھس آئے۔“ سعید تیز آواز میں بولا۔
”ہمیں ایک آدمی کی تلاش ہے۔“ لمبا آدمی پر کون لجھے میں بولا۔ اس کی تیز اور چکلی آنکھیں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

”مگر بغیر اجازت.....!“

”مجھے اس کے لئے افسوس ہے۔“ اس نے سعید کی بات کاٹتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
اس کی آنکھیں بدستور ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں۔

”اگر وہ میرے نوکروں میں سے ہے تو نہیں مل سکتا کیونکہ میں سپر کی رات کو اپنے نوکروں کو چھٹی دے دیتا ہوں۔“ سعید نے نہ اسامتہ بنا کر کہا۔

”کیا یہاں ابھی کوئی آدمی آیا تھا؟“ اس نے سعید کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
”نہیں..... لیکن اس طرح بغیر اجازت.....!“

”میں پھر معافی چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا اور تھوڑی دیر خاموشی سے کھڑا رہنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

دور تک قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر سکوت چھا گیا اور وختا کار کے اسارت ہونے کی آواز آئی۔

سعید اور اس کی بیوی نے اٹھیناں کا سانس لیا۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے۔
کوئلے کی کوئڑی کا دروازہ کھلا اور وہ اجنبی مانتے سے پیش پوچھتا ہوا یا ہر نکل آیا۔ سعید کی بیوی نے بنگلے کے دروازے بند کر دیے۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ باورپی خانے سے بننے ہوئے گوشت کی اشتها انگیز خوبصورت رہی تھی۔ اجنبی نے دو چار گھرے گھرے سانس لئے اور کرسی کی پشت پر بیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے پھرے سے حکم کے آثار خاہر ہو رہے تھے۔

سعید کی بیوی باورپی خانے کی طرف چلی گئی۔ واپسی پر اس کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی۔ اس نے ایک پیالی چائے بنایا کہ اجنبی کی طرف بڑھا دی، جو آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ وہ چوک پڑا۔ آنکھوں میں احسان مندی کی جھلک تھی۔

”بینی! میں تم لوگوں کا احسان کیجی تھے بھولوں گا۔ اگر آج رات کو میں فتح گیا تو ان سکھوں کو دیکھوں گا۔“ اجنبی نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

تحوڑی دیر بعد کھانا تیار ہو گیا۔

تینوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر سعید نے اسے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ زینے طے کرتے ہوئے اوپری منزل پر چارہ ہے تھے۔

”آپ یہاں اس کمرے میں سوئیں گے۔“ سعید نے اس سے کہا۔
”شکریہ.....!“ اجنبی بولا۔ ”مجھے انبوس ہے کہ میں اپنے متعلق ابھی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ مجھ پر اعتماد کریں، میں بھی ایک ذی عزت آدمی ہوں۔“

”خیر..... خیر..... آپ آرام کیجیے۔“ سعید نے کہا۔ آپ اپنے نوٹوں کا بندل نیچے چھوڑ آئے ہیں۔ مجھے کسی حتم کے معاویت کی ضرورت نہیں۔ خدا نے مجھے کافی دیا ہے۔“ سعید بیچے چلا آیا۔
وہ اور اس کی بیوی کافی دیر تک اجنبی اور اس کا تعاقب کرنے والوں کے متعلق انگلکو کرتے رہے۔ سعید کی بیوی بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔ ڈر تو سعید بھی رہا تھا لیکن اپنی بیوی کی تسلیں کے لئے وہ اس طرح کی باتیں کر رہا تھا جیسے ان واقعات کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

سعید باتیں کرتے کرتے وغطا چوک پڑا۔ اوپر چڑچڑا اہست کی آواز سنائی دی اور پھر ایسا

معلوم ہوا جیسے کوئی وزنی چیز دھپ سے چھٹ پر آ رہی ہو۔

کچھ قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں اور پھر سناتا چھا گیا۔ سعید اور اس کی بیوی ایک دوسرے کامنہ دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سعید اٹھ گیا اس کی بیوی نے اس کا ہاتھ پکولیا۔

”کہاں.....؟“

”اوپر.....!“

”میں بھی چلوں گی۔“

”تم یہاں اکیلے ڈراؤگی؟؟“

”نہیں یہ بات نہیں..... میں آپ کو تباہانہ جانے دوں گی۔“

دونوں دبے پاؤں زینے طے کرنے لگے۔ اوپر سناتا تھا۔ وہاں دونوں چند لمحے خاموش کھڑے رہے۔ پھر آہستہ سے کمرے میں داخل ہو گئے اور دھنٹا اس کی بیوی چیخ کر اس سے پشت گئی۔

سامنے زمین پر ایک آدمی اونڈھا پڑا تھا اور اس کی پشت میں ایک بڑا سا چاقو بیوست تھا۔ زمین پر خون کی ایک پلی سی لکیر نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ ابھی نہیں تھا۔ یہ تو وہی تھا جو اس کا تعاقب کر رہا تھا طے کی چوچی جیسی ناک والا..... اور..... ابھی عائب تھا۔ سعید کی بیوی ابھی تک اس سے لپٹی کرڑی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی گرفت ڈھلی ہو رہی تھی۔ سعید نے چوک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ سعید اسے اٹھا کر نیچے لے آیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ نوکروں کو پہلے ہی چھٹی دے چکا تھا۔ گاؤں تقریباً تین فرالاگ کی دوری پر تھا۔ وہ بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر کہیں ہٹانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ پنچھی پر رہنے والے جھکی آرٹ کو آواز دے۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے آواز دینے پر چلا اتی آئے۔ سعید ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دھنٹا اس کے سر پر کسی نے کوئی وزنی چیز دے ماری۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں تین چار آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔

بنک میں گڑ بڑ

اسی رات دلاور پور سے دس میل کی دوری پر شہر میں بیشتر بنک کی عمارت کے سامنے پولیس کی لاری کھڑی ہوئی تھی۔ پولیس اسکرچ جکڈ لیش بنک کے کھلے ہوئے صدر دروازے کے قریب کھڑا بیک کے فیجر مسز گنگولی سے باتیں کر رہا تھا۔

”تو یہ دروازہ کھلا ہوا پایا گیا۔“ اسکرچ جکڈ لیش نے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“ گنگولی نے جواب دیا۔

”آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی؟“

”میں اور پر کی منزل میں رہتا ہوں۔“

”اوہ.....!“ جکڈ لیش نے عمارت پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ خلی منزل میں بیک تھا.....

اس کے اوپر ایک منزل اور تھی اور اس کے اوپر سپاٹ چپت۔

”آپ ہی نے مجھے فون کیا تھا۔“ جکڈ لیش نے پوچھا۔

”نہیں، میں آپ کو فون کرنے ہی جا رہا تھا کہ آپ پہنچ گئے۔“

”آپ کا نام.....!“

”پی ایس گنگولی۔“

”جی.....“ جکڈ لیش نے حیرت سے کہا۔ ”آپ نے مجھے فون نہیں کیا تھا۔“

”نہیں.....!“

”لیکن فون کرنے والے نے بھی بھی نام لیا تھا۔“

”اڑے.....!“ گنگولی چوک کر بولا۔

”بیگی بات ہے۔“ جکڈ لیش نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

کہا۔ ”چلنے۔“

وہ دونوں اور ایک کاشیبل بنک کے اندر داخل ہوئے۔

”اور خزانہ.....!“

”خہریے۔“ گنگولی نے ایک دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اس نے جیب سے کنجیوں کا لچھا نکال کر دروازہ کھولا اور اندر کا بلب روشن کر دیا۔ یہاں کئی تجوریاں رکھی ہوئی تھیں اس نے ایک ایک کر کے سب تجوریاں کھولیں اور پلٹ کر تحریر آمیز نظر وں سے جلدیش کی طرف دیکھنے لگا۔

”کہئے۔“

”میرے خیال سے تجوریوں کی چیزیں بھی موجود ہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ دروازہ دھوکے سے کھلا رہا گیا۔“ جلدیش نے کہا۔ ”صدر دروازے کی کنجی کس کے پاس رہتی ہے۔“

”ایک میرے پاس اور ایک صفائی کرنے والے کے پاس۔ لیکن وہ بہت ہی متبرآمدی ہے۔“

”کیا آج یہ دروازہ اسی نے بند کیا تھا۔“

”نہیں.....میں نے۔“ گنگولی نے کہا۔ ”لیکن صح کو روزانہ وہی کھوتا ہے۔“

” غالباً صفائی کرنے کے لئے۔“ جلدیش نے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“

”تو آپ کو قلعی اطمینان ہے کہ کوئی چیز گئی نہیں۔“

”خہریے! میری دامت میں تو سارا کیش موجود ہے۔ لیکن میں فون کر کے خزاںجی کو بلائے لیتا ہوں۔“ گنگولی نے کہا اور بڑھ کر فون کرنے لگا۔

جلدیش کھڑا اسوچ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بے چینی سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

”یہ صفائی کرنے والا کون ہے۔“ جلدیش نے اچانک پوچھا۔

”سلیم.....!“

”کہاں رہتا ہے۔“

”یہ تو مجھے معلوم نہیں۔“ گنگولی نے ماتھے سے پیند پوچھتے ہوئے کہا۔

”می.....!“ جلدیش نے حیرت سے کہا۔ ”اوہ آپ نے اس کے پاس چالی کیوں رہنے دی۔“

”وہ کافی معتبر آدمی ہے۔“

”معلوم نہیں آپ کی نظروں میں معتبر ہونے کا کیا معیار ہے۔“ جگد لش طنزیہ انداز میں بولا۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بہت معتبر آدمی ہے۔“

”آپ تو اوپر رہے ہوں گے پھر آپ کو دروازہ کھلنے کا علم کس طرح ہوا؟“

”الارم.....!“ گنگولی نے خزانے کی طرف اشارہ کیا۔ ”بُنک بند کرتے وقت میں اس

میں الارم لگا دیا ہوں جس کی تھی میں نے اوپر لگا رکھی ہے۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ کسی نے یہاں داخل ہو کر خزانے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔“

”جی ہاں.....!“

”لیکن کھولنے میں کامیاب نہیں ہوا۔“

”یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔“ گنگولی نے پریشانی کے لمحے میں کہا۔ ”کیونکہ اس کا دروازہ بند

کرنے پر خود بخود تالا لگ جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کھولنے والے نے کھول کر بند بھی کیا ہو۔“

”تب تو ہمیں خزانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔“ جگد لش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”الارم

سن کر یہاں بک آنے میں آپ کو لکھنا عرصہ لگا ہو گا۔“

”تقریباً پندرہ منٹ.....!“ گنگولی نے جواب دیا۔

”پندرہ منٹ.....!“ جگد لش نے حیرت سے کہا۔ ”پندرہ منٹ تو بہت ہوتے ہیں۔“

خطرے کا الارم سن کر بھی اتنی دیر کر دی آپ نے۔“

”اسکی بھی وجہ ہے۔“ گنگولی نے سکرا کر کہا۔ ”اکثر چوہوں کی عنایت سے بھی ایسا ہو جایا کرتا

ہے اور پھر میں نے سوچا کہ سر شام چلتی ہوئی سڑکوں پر کون اس کی ہمت کر سکے گا۔ اسی خیال سے

میں ہال گیا۔ لیکن پھر طبیعت نہ مانی اور تھوڑی دیر بعد جب میں نیچے اتراتو دروازہ کھلا ہوا تھا۔“

”ہوں.....!“ جگد لش نے گنگولی کو مخلوق نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

گنگولی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے شدید تم کی بے چینی ظاہر

ہو رہی تھی۔

”کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ اسی کی حرکت ہو۔“ جگد لش نے کہا۔

”میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔“

”آخراں یقین کی وجہ؟“

”میں اسے عرصہ سے جانتا ہوں۔“

”اور تجھ ہے کہ آپ اس کے گھر کے پتے سے واقف نہیں۔“ جگد لیش نے کہا۔
گنگوئی خاموش ہو گیا۔ اس کے تیور سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس کے متعلق ذکر کرنا پسند
نہیں کرتا۔

تحوڑی دیر بعد خراچی آگیا۔ اس نے کیش دیکھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ کام بھی ختم ہو گیا۔
”کیش پورا ہے..... کوئی کمی نہیں اور دوسرا چیزیں بھی موجود ہیں۔“ خراچی نے کہا۔
”خیر..... یہ بھی اچھا ہوا۔“ جگد لیش نے کہا۔ ”لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ
کے نام سے مجھے فون کس نے کیا اور اس کا مقصد کیا تھا۔“

ابھی گنگلہ ہوتی رہی تھی کہ باہر شور سنائی دیا اور ساتھ ہی ایک ایسے دھاکہ کی آواز آئی
جیسے کوئی بہت وزنی چیز کافی اونچائی سے نیچے چکلکی گئی ہو۔

سارے لوگ گھبرا کر بنک سے سڑک پر نکل آئے۔

”کون ہے..... کون گرا.....!“ ایک طرف سے آواز آئی۔

جمع بڑھتا چاہا تھا۔ جگد لیش بھیڑ کو چیڑتا ہوا آگے بڑھا۔ ایک بے جان آدمی سڑک پر
اوونڈھا پڑا تھا۔

”کہاں سے گرا.....!“ جگد لیش نے بے اختیاراتہ انداز میں پوچھا۔

”اوپر سے.....!“ کئی آدمیوں نے بنک کی عمارت کی ساٹ چھٹ کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے کہا۔

جگد لیش کی تاریخ کی روشنی گرنے والے کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ جگد لیش نے نیچے
چک کر دیکھا۔

”ختم ہو گیا۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”اُرے یہ تو سلیم ہے۔“ دھنلا گنگوئی کی آواز سنائی دی۔

”سلیم..... کون سلیم۔“ جگد لیش چوک کر بولا۔ ”وہی جو صفائی کرتا تھا۔“

”جی ہاں.....!“ گنگولی گھبرائے ہوئے لمبھ میں بولا۔ ”مگر یہ اس وقت یہاں کہاں۔“

گنگولی حیرت سے چھٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

”ارے یہ اوپر روشنی کیسی۔ وہ کون ہے؟“ گنگولی بے اختیارات انداز میں چیخا۔

چھٹ پر کوئی نارچ کی روشنی میں سر جھکائے کچھ دیکھ رہا تھا۔ گنگولی کی چیخ سنتے ہی اس نے نارچ بچھا دی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اوپر تار کی تھی لیکن ستاروں کی چھاؤں میں ایک دھندا

دھندا اسابے حس و حرکت مجسم صاف دکھائی دے رہا تھا۔

”خبردار..... اپنی جگہ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔“ جگد لیش نے روپالور تکالٹے ہوئے چیخ

کر کہا۔

”بہت بہتر حضور والا.....!“ اوپر سے آواز آئی۔

جگد لیش آوازن کر چوک پڑا۔ آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ لیکن اس نے سوچا شاید وہم ہوا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیا ساغر آدمی ہے۔

جگد لیش نے سپاہیوں کو اوپر جانے کا اشارہ کیا اور خود روپالور تک کھڑا رہا۔ سپاہی آگے

بڑھے۔

”انہیں تکلیف نہ دیجئے گا..... میں خود حاضر ہو رہا ہوں۔“ اوپر سے آواز آئی۔

”ارے.....!“ جگد لیش تقریباً اچھتے ہوئے چیخا۔ ”تو کیا جنگ آپ ہی ہیں۔“

دوسرا لمحے میں زینے پر نارچ کی روشنی دکھائی دی اور ایک آدمی نیچے آیا۔

یہ ملکہ سراغِ رسانی کا انسپکٹر فریدی تھا۔

جگد لیش جھپٹ کر اس کے قریب آیا۔

”آپ یہاں کہاں.....؟“ اس نے مستجبانہ لمحے میں پوچھا۔

”وہ کون ہے کچھ پتہ چلا؟“ فریدی نے جگد لیش کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”سلیم..... یہاں بجک میں صفائی کرنے پر ملازم تھا۔“ جگد لیش نے کہا۔

”سلیم.....!“ فریدی چوک کر بولا۔

”مجی ہاں.....!“

فریدی تیزی سے لاش کے قریب آیا اور جھک کر نارجی کی روشنی میں اسے دیکھنے لگا۔

”تو اس کا یہ مطلب کہ اس میں گرنے سے پہلے کچھ کچھ جان باقی تھی۔“ فریدی بولا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ جگد لش نے کہا۔

”چھت پر پڑے ہوئے خون کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کافی در ہوئی تکلا ہے۔ کسی نے شاید اسے زخمی کر کے اوپر ڈال دیا تھا۔ کچھ ہوش آنے پر شاید اس نے کروٹ لی اور نیچے لڑک آیا۔“

”ارے.....!“

”اور سب سے زیادہ تجب خیز بات یہ ہے کہ اسی نے فون کر کے مجھے یہاں بala یا تھا..... اور اس سے زیادہ تجب خیز بات یہ ہے کہ یہ یہاں اس بک میں صفائی کرنے پر ملازم تھا۔“

پولیس والوں نے مجھ ہٹا دیا تھا۔ جگد لش اور فریدی تھا کھڑے باشیں کر رہے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اس نے خطرے سے واقف ہو کر آپ کو فون کر دیا تھا اور بعد میں مجرم یا مجرموں کے ہاتھوں مارا گیا۔“ جگد لش نے کہا۔

”تو کیا مجرم کامیاب ہو گئے۔“ جگد لش نے پوچھا۔

”نہیں..... بک میں سب کچھ جوں کا توں موجود ہے۔ غالباً ہنگامہ ہو جانے پر وہ لوگ نکل جھاگے۔“ جگد لش نے کہا۔ ”اس نے فریدی کو شروع سے آخر کس سب حالات بتا دیئے۔“

”اور گنگوٹی کہتا ہے کہ اس نے تم کو فون نہیں کیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”مجی ہاں.....!“

”ہوں.....!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”آخر اس نے یہ نہیں بتایا کہ سلیم پر اس قدر اعتماد کیا وجہ تھی؟“

”مجی نہیں۔“ جگد لش نے کہا۔ ”لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ اسے عرصہ سے جانتا تھا اور میرے خیال میں اعتماد کر لینے کی یہ کوئی محقول وجہ نہیں معلوم ہوتی جب کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ سلیم رہتا کہاں تھا۔“

فریدی مسکرا نے لگا۔ جگد لیش کو اس کی یہ بے موقع مسکرا ہٹ کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔

”اچھا اب لاش کو لاری پر رکھا دو۔“ فریدی نے کہا۔ ”گنگولی کہاں ہے؟“

”غالباً بیک میں..... آئیے چلیں۔“ جگد لیش نے کہا اور کاشیبلوں کو ہدایت دیتا ہوا فریدی کے ساتھ بیک کے اندر چلا گیا۔ خزانچی اور گنگولی اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں۔

فریدی اور جگد لیش کو دیکھ کر دونوں کھڑے ہو گئے۔

”تشریف رکھئے۔“ فریدی نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

”سلیم آپ کے یہاں کتنے دنوں سے ملازم تھا۔“ اس نے گنگولی سے پوچھا۔
”تمن ماہ سے۔“

”اور اتنے قابل عرصہ میں آپ کو اس پر اتنا اعتماد پیدا ہو گیا تھا اور آپ کو اس کے مکان کا پہ بھی نہیں معلوم۔“

گنگولی خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ کسی ذہنی کٹکش میں جلا ہے۔

”میرا خیال ہے کہ آپ نے قریب قریب اس کے سب نادل پڑھے ہوں گے۔“ فریدی نے پر سکون لجھ میں پوچھا۔

”تو آپ بھی اسے جانتے تھے۔“ گنگولی بے اختیار بولا۔

جگد لیش حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”آپ کی اور اس کی پرانی دوستی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔
”جی ہاں.....!“

”تو پھر آپ نے یہ بات جگد لیش سے کیوں چھپائی تھی۔“

”اب جب کہ وہ مرچکا ہے مجھے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔“

”تو گویا اس نے آپ کو منع کر دیا تھا کہ آپ اس کی اصلیت سے کسی کو آگاہ نہ کریں۔“

”جی ہاں۔“

”اس قدر مالدار ہونے کے باوجود بھی اس نے اُسی ذیل ملازمت کیوں کی تھی؟“

”وہ کہتا تھا کہ وہ ذاتی طور پر بیک کے کاروبار سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنے نادلوں میں اس کے متعلق ثابت تھیک لکھ سکے۔“

”اس کے متعلق تو وہ آپ سے بھی معلومات بہم پہنچا سکتا تھا۔ آخر یہاں فوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”اب میں اس کے متعلق کیا عرض کرو۔ یہ بھی اس کی ایک جگہ تھی۔ میرے یہاں ملازمت کرنے سے پہلے وہ عجائب گھر میں ملازم تھا۔“

”عجائب گھر میں۔“ فریدی نے چوک کر پوچھا۔ ”کس عجائب گھر میں؟“

”پرانی یادگار کے عجائب گھر میں۔“ گنگولی نے جواب دیا۔

”اور وہ باوقار تنگواہ لیا کرتا تھا۔“

”مجی ہاں۔“

”عجیب بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ خود بھی کافی مالدار تھا۔“

”وہ میرا دوست ضرور تھا لیکن کہنے والی بات کہنی ہی پڑتی ہے۔“ گنگولی بولا۔ ”اے

دولت کی ہوں تھی اور وہ ایک ایک پیسر دانت سے پکڑتا تھا۔“

”اوہ.....!“

تحوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ کیونکہ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچتی رہا تھا۔ ”کیا آپ اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ آخر اس کے اس وقت یہاں موجود ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”یہی سوال تو مجھے بھی الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔“ گنگولی نے جواب دیا۔

”جب سے اس نے میرے یہاں ملازمت کی تھی ڈیوٹی کے وقت کے علاوہ بھی اس طرف کا رخ بھی نہیں کرتا تھا۔“

”میرا خیال ہے۔“ جگد لیش بولا۔ ”شاید مجرم دم دلاسر دے کر اسے یہاں تک لائے اور اس سے یہاں کی کئی لے کر زخمی کر کے اسے اوپر ڈال گئے۔“

”لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت یہاں کی کنجی اپنی جیب ہی میں رکھتا رہا ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ کون تھا؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”تم نے کبھی کلیل ساجد کے جاسوں ناول پڑھے ہیں۔“

”جی ہاں.....!“

”یہ کلیل ساجد ہی تھا۔“

”ارے.....!“

”اس کا اصلی نام تو سلیم ہی تھا لیکن یہ تباہیں کلیل ساجد کے نام سے لکھا کرتا تھا۔“

”یہ تو برا مشہور مصنف تھا۔ میں نے اس کی تقریباً پچاس سانچھ کتابیں پڑھی ہوں۔“

جگدیش بولا۔

”تو آپ کو پورا یقین ہے کہ یہاں سے کوئی چیز چالی نہیں گئی۔“ فریدی نے گنگوہ سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”بہتر۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”ممکن ہے آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔“

لاش پہلے ہی کتوالی روانتہ کی جا چکی تھی۔ فریدی اور جگدیش بھی واپس آگئے۔ دونوں اس

وقت کتوالی کے ایک کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

”تو آپ چھت پر کیسے بیٹھ گئے تھے۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”سلیم نے مجھ سے فون پر استدعا کی تھی کہ میں جلد سے جلد بک بیٹھ جاؤں، اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت پریشان ہے۔ لہذا میں وہاں بیٹھنا ہی تھا کہ وہ چھت سے نیچے آ رہا۔ میں بغیر یہ معلوم کئے ہی کہ وہ کون ہے چھت کی طرف لپکا۔ وہاں بالکل سناتا تھا۔ کنی گدھ خون کے دھبے جسے دکھائی دے رہے تھے، جن کی سرخی کچھ کچھ سیاہی میں تبدیل ہو چکی تھی اسی سے میں نے اندازہ لگایا کہ اسے حادثہ پیش آئے ہوئے کچھ عرصہ گزر چکا ہے۔“

”شاید کسی نے اوپر سے اسے پھینک دیا ہو۔“ جگدیش بولا۔

”ممکن۔“ فریدی نے کہا۔ ”اتھی جلدی وہاں سے نیچے آ جانا ممکن ہی نہیں اور وہاں کوئی

چھنے کی جگہ بھی نہیں۔"

"آپ نے کوئی نظر یہ قائم کیا۔"

"فی الحال کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا۔"

"میرا خیال ہے کہ مجرموں نے سلیم سے کنجی حاصل کر کے اپنی دانت میں اسے قتل کر دیا۔" "اور لاش بیک کی چھٹ پر ڈال گئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر انہیں کنجی کے لئے اسے قتل کرنا ہوتا تو اس کے لئے وہ کوئی ویرانہ ختنب کرتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب وہ بیک سے گھر واپس جا رہا تھا، اسی وقت کوئی بہلا پھسلا کر اسے چھٹ پر لے گیا اور وہیں اسے زخمی کر کے اس سے کنجی حاصل کر لی تو یہ بھی کچھ ناممکن ہی سامنے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اول تو اس وقت کافی دن رہا ہو گا اور وہ چھٹ کھلی ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں ان کے دیکھ لئے جانے کا بھی امکان رہا ہو گا۔ دوسرا بات یہ کہ اس کے ٹھی فون کرنے اور میرے وہاں پہنچنے کا وقف بیشکل تمام نہیں رہا ہو گا اور چھٹ پر پڑے ہوئے خون سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ قبل کا ہے۔"

"پھر آخر سے کیا سمجھا جائے۔" جگدیش نے آتا کر کہا۔

"بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "دوسری چیز یہ بھی کم حرمت انہیں نہیں کر گئی اس سے انکار کر رہا ہے کہ اس نے تمہیں فون کیا ہے۔"

"بہر حال میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔" جگدیش نے کہا۔ "اگر آپ اس معاملے کو ال جھا رہے ہیں تو اسے خود ہی سمجھائیے گا بھی۔"

"میں اس کیس میں خود بھی کچھ دلچسپی محسوس کر رہا ہوں۔" فریدی نے جانے کے لئے اٹھتے ہوئے کہا۔

ایک اور لاش

فریدی آفس میں بیٹھا پرانے کاغذات الٹ پلٹ رہا تھا کہ سرجٹ حید آگیا۔

”آج طبیعت کچھ بیزاری ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں.....؟“ فریدی نے بدستور سر جھکائے ہوئے پوچھا۔

”بیکاری..... دن بھر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو۔“

”تو یہ کون کی خاص بات ہے۔ تم ایک ہاتھ سر پر اور دوسرا کمر پر رکھے کھڑے رہا کرو۔“

فریدی مسکرا کر بولا۔

حمدی جھینپ گیا

”مگر اونٹیں..... میں نے کام ڈھونڈ لیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”وہی بیک والا معاملہ.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں.....!“

”آپ بھی خواہ مخواہ در درسری مول لیتے پھرتے ہیں۔“

”عجیب آدمی ہو..... ابھی بیکاری سے اکتار ہے تھے اور جو کام بتایا تو جان نکل گئی۔“

”میرا مطلب کچھ اور تھا۔“

”اور تو کیا شہزاد آج کل یہاں موجود نہیں.....؟“ فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

حمدید نے نقشی میں سر ہلا دیا۔

”تب تو خدا جسمیں غریق رحمت کرے۔“ فریدی نے کہا اور پھر کاغذات اللئے پلتے رکا۔

ٹلکی فون کی گھٹی بھی۔ فریدی نے رسیور انٹھالیا۔

”ہیلو..... کون جگدیں..... ہاں ہاں فرصت ہی ہے..... ایک اور لاش؟ کہاں.....؟“

”دلاور پور..... اچھا..... ہاں..... ہاں..... وہ لوگ غائب ہیں..... نہیں..... نہیں..... فرصت ہی ہے..... میں ابھی آیا۔“

”لیجے جتاب حمید صاحب۔“ فریدی نے رسیور رکھتے ہوئے کہا۔

”ایک کام اور دستیاب ہو گیا۔“

”مجی ہاں..... ایک اور لاش..... سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملک میں لاشوں کی پیداوار کیوں

بڑھتی جا رہی ہے۔“ حمید بیزاری سے بولا۔

”آؤ چلیں۔“

”بیس بجھے معاف ہی رکھئے۔“

”کبھی دلاور پور گئے ہو.....؟“

”نہیں!“

”ایسی لئے ایسا کہہ رہے ہو۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”خیر میں چھین لے جانا مناسب بھی نہیں سمجھتا۔“

”کچھ کہئے گا بھی یا یونہی پہلیاں بھجواتے رہئے گا۔“

”ارے چھوڑو بھی..... جا کر اپنا کام کرو۔“ فریدی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا اور انھوں کو دروازے کی طرف پہنچنے لگا۔

فریدی کا راستہ کرنے جاتی رہا تھا کہ حید بھی آ کر بیٹھ گیا۔

”بہر حال تم نہیں مانو گے۔“ فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کا راستہ کر دی۔
کوتولی میں جکد لیش اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”کہو بھی کیا معاملہ ہے؟“ فریدی نے جکد لیش سے پوچھا۔

”ارے صاحب ایک معاملہ صاف نہیں ہوا تھا کہ دوسرا پیدا ہو گیا۔“ جکد لیش نے کہا۔
”دلاور پور کے سعید کا نام تو آپ نے سنا ہو گا۔“

”وہی انگلینڈ ریشن کسان.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“ جکد لیش نے کہا۔ ”دلاور مگر چوکی کے چوکیدار نے اطلاع دی ہے کہ سعید کے گھر میں ایک لاش ملی ہے اور وہ دونوں میاں بیوی عائب ہیں۔ آج صحیح جب گھر کے نوکر آئے تو انہوں نے گھر کھلا ہوا پایا۔ وہ دونوں عائب تھے اور چھپت پر ایک لاش ملی۔“

”کھلی چھپت پر.....؟“ فریدی نے استقہامیے لجھ میں پوچھا۔

”نہیں..... شاید اوپری منزل کے ایک کرے میں۔“

”غائب مکان پر وہاں کی چوکی کے ہیڈ کا شبل نے پہرہ گلوا دیا ہو گا۔“

”جی ہاں.....!

”ٹھیک.....!“ فریدی نے کہا۔ ”تو اب کیا ارادہ ہے۔“

”آپ ہی کے انتظار میں رکا ہوا تھا۔“ جگد لیش نے کہا۔ ”میں آپ کو بہت اکلیف دیتا ہوں۔“

”خیر اکلفات کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”آؤ چلیں۔“

فریدی حیدر اور جگد لیش کا رہ میں بینڈ کر دلا اور پور کی طرف روانہ ہو گئے۔

سعید کے مکان کے سامنے پہرہ لگا ہوا تھا۔ وہ لوگ کھلیان سے گزرتے ہوئے مکان کے اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ دلا در پور کی چوکی کا ہینڈ کا نشیبل بھی تھا۔

”لاش کہاں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میرے ساتھ آیے۔“ ہینڈ کا نشیبل زینے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اوپر کرے میں پہنچ کر فریدی نے سگار سلاکیا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کرے میں اس لاش کی موجودگی اس کی نظر وہ میں کوئی اہمیت بھی نہیں رکھتی۔ اس نے مکان کی پشت پر کھلنے والی کھڑکی کی طرف غور سے دیکھا، جو اس وقت بھی کھلی ہوئی تھی۔

”تم جب یہاں داخل ہوئے تو یہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔“ فریدی نے ہینڈ کا نشیبل سے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“

اب فریدی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی پشت میں ابھی تک چاقو لگا ہوا تھا۔ فریدی نے جیب سے محبد شیشہ نکالا اور چاقو کے دستے کا جائزہ لینے لگا۔

”الگیوں کے نشانات تھے تو ضرور۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد سراخنا کر کہا۔ ”لیکن کسی نے انہیں صاف کر دیا۔ کہیں اب بھی ایک آدھ نشان موجود ہے مگر مکمل نہیں۔“

چھر دہ ہینڈ کا نشیبل سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”کسی نے لاش کو چھووا تو نہیں؟“

”جی نہیں۔“

”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“ فریدی نے کہا۔ ”ممکن ہے کہ تمہارے پہنچنے سے قبل ہی کسی نوکر نے اسے چھووا ہو۔“

”نوکروں کا تو سمجھی بیان ہے کہ کسی نے اس کرے میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کی۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے پھر جنک کر لاش کا جائزہ لیتا شروع کیا۔

”قلیل یہاں اس کمرے میں نہیں ہوا۔“ فریدی نے سراخنا کر کہا۔

”پھر.....؟“ جگد لش نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ میں نہیں بتاسکتا..... لیکن قلیل اس کمرے میں نہیں ہوا۔“

”آخر کیسے؟“

”یہاں پر ہے ہوئے خون کی مقدار.....!“ فریدی پر سکون لجھ میں بولا۔ ”اتاکم خون۔“

جمید اور جگد لش سوچ میں پڑ گئے۔

فریدی لاش کے پاس سے ہٹ کر کھڑکی کے قریب آگیا۔ وہ باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مکان کے چیچھے چھوٹا سا میدان تھا اور اس کے بعد ہی زمین ڈھلوان ہو گئی تھی۔

”کیا یہ کوئی ندی ہے.....؟“ فریدی نے ہیڈ کا نیبل سے پوچھا۔

”نجی ہاں..... دریائے گھاگھرا کی ایک شاخ۔“

”یہاں سے کتنا فاصلہ ہوگا.....؟“

”تقریباً ایک فرلانگ.....!“

”لیکن یہاں سے پانی نہیں دکھائی دیتا۔“

”یہ جگد کافی اونچائی پر ہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی نے نیچے جنک کر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے؟“ جگد لش نے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... آؤ نیچے چلیں۔“ اس نے ہیڈ کا نیبل کی طرف مز کر کہا۔ ”اور ہاں وہ

سامنے چھوٹی سی عمارت کیسی ہے؟“

”پنچھی ہے..... کبھی چلتی تھی۔ تقریباً ایک سال سے بند پڑی ہے۔“

”تو وہ عمارت خالی ہے۔“

”نجی نہیں..... وہاں ایک پاگل سا آدمی رہتا ہے۔ خود کو آرٹسٹ کہتا ہے۔ اکثر تصویریں بناتا

کر کتنے کے لئے شہر بھیجا رہتا ہے۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
سب لوگ نیچے اتر آئے۔ فریدی ایک ایک کمرے کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔
”یہ شاید ان دونوں کے سونے کا کمرہ ہے۔“ فریدی نے کہا۔ اس کی تیز نظریں کونے
کونے میں بچپن رہی تھیں۔

”یہ دیوار پر خون کی چھینیں کیسی؟“ دھننا فریدی چوک کر بولا۔
”اوہ.....!“ جگد لیش دیوار کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”تو کیا..... تو کیا..... اسے بیٹھن قتل کیا گیا۔“
”لیکن یہاں قتل کر کے اوپر لے جانے کا کیا مطلب.....؟“
”بہت ممکن ہے کہ انہوں نے اسے بیٹھن قتل کیا ہو اور تاک میں رہے ہوں کہ موقع پا کر
لاش کو کہیں ٹھکانے لگادیں۔“ جگد لیش بولا اور پھر کسی وجہ سے انہیں اس کا موقع نہل سکا ہو۔
بہت ممکن ہے کہ کوئی ملنے والا آگیا ہو اور انہوں نے جلد ہی لاش کو اوپر پہنچا دیا ہو اور پھر اسے
وہاں سے اتار کر ادھر ادھر نہ کر سکنے کی بنا پر منجھ ہو جانے کے خوف سے فرار ہو گئے ہیں۔“
”اور اتنی دیر ہے اس کے زخم میں برتن لگا کر اس میں اس کا خون اکٹھا کرتے رہے۔“

حمدہ نص کر بولا۔

”کیا فضول بکتے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو یہاں فرش پر بھی خون کا ایک آدھ دھبہ ہونا چاہئے تھا۔“
فریدی اسے گھورنے لگا۔

”یہ سینڈل غالباً سعید کی بیوی کی ہے۔“ فریدی نے ایک سینڈل کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے کہا۔ ”لیکن دوسرا کیا ہوا۔“

”میں ابھی حلاش کرتا ہوں۔“ حمید نے بڑی مستعدی کے ساتھ کہا اور سینڈل اٹھا کر
کمرے کے باہر جانے لگا۔

”ارے تم اسے کہاں لئے جا رہے ہو۔“

”جوڑ ملانے کے لئے..... ممکن ہے دوسرا ڈھونڈ لاؤ۔“ حمید نے کہا اور چلا گیا۔

”عجیب لوڑا ہے۔“ فریدی نے کہا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"ایک بستر صاف ہے اور دوسرے پر ٹکنیں۔" فریدی نے جگ کر پرٹکن آلو بستر پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔ "غائب سینڈل کے تلے کاشان ہے۔ سعید کی بیوی بڑی بد تیز تھی کہ ایسے شفاف بستر پر سینڈل سمیت چڑھ جاتی تھی۔ مگر دوسرا نشان نہیں ہے۔ سینڈل کے ساتھ ہی ساتھ دوسرا نشان بھی غائب ہو گیا۔ نشان داہنے سینڈل کا ہے اور داہنے پر کا سینڈل بھی یہاں نہیں ہے کیون جلد لش صاحب..... کیا یہ دلچسپ بات نہیں۔"

"صاحب مجھے تو ابھی تک ہر چیز دلچسپ ہی نظر آ رہی ہے۔" جلد لش بولا۔

اتھے میں حمید آگیا۔ سینڈل اس کے ہاتھ میں تھا۔

"سینڈل تو نہیں ملا..... لیکن ایک دلچسپ چیز ملاحظہ ہو۔" حمید نے سوسروپے کے دو نوٹ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا.....؟"

"لاش والے کمرے میں سینڈل ٹالا ش کرنے کے لئے میں نے صوفہ ہٹایا تھا، اس کے پیچھے بجھے یہ دو نوٹ پڑے ہوئے تھے۔"

"ہوں.....!" فریدی نے نوٹوں کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "بالکل نئے ہیں، یہاں تک کہ ایک آدھ بار موڑے بھی نہیں گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بندل میں سے سرک کر کنکل گئے ہوں۔" پھر اس نے ہیڈ کا شیبل کو حاصلب کر کے پوچھا۔

"کیا سعید کوئی لاپرواہ آدمی تھا؟"

"قطیعی نہیں..... میں نے اس جیسا با اصول آدمی آج تک دیکھا ہی نہیں۔ شام وہ پائی کا حساب رکھتا تھا۔" ہیڈ کا شیبل نے جواب دیا۔

"اوپر کوئی تجویری بھی نہیں..... کوئی صندوق بھی نہیں نظر آیا اور شاید اس بڑے صوفے کی طرف کپڑے وغیرہ لٹکانے کے لئے کھوئیاں بھی نہیں ہیں کہ یہ خیال کیا جائے کہ کپڑے لٹکائے وقت شاید جیب سے گر گئے ہوں۔" فریدی کسی گھری سوچ میں ڈوب گیا۔ دھڑا وہ چوک پڑا۔

"کل رات بک میں کوئی گھما..... کل رات ہی کو یہاں بھی ایک واردات ہوئی اور یہ نئے نوٹ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"چلے آگئی شامت..... بیٹھل بیک اور سعید منزل الجھے گئے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے قہر آلو نظروں سے گھومنے لگا۔

جلد لش خاموش ہو گیا تھا۔ وہ لوگ کمرے سے نکل آئے۔ فریدی پھر سوچ میں ڈوب گیا۔

سب لوگ مکان سے نکل کر چیخواڑے کی طرف چارہ ہے تھے۔

فریدی میں کھڑکی کے نیچے رک کر زمین کی طرف دیکھنے لگا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی نگاہیں دیوار کی طرف اٹھنے لگیں۔ دھنٹا وہ مسکراتا ہوا جلد لش وغیرہ کی طرف مڑ گیا۔

"اب ہمیں سبھیں کہیں بانس کی ایک سیر گی ٹلاش کرنی چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

سب اسے حرمت سے دیکھنے لگے۔ فریدی آگے گے بڑھ کر میدان میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ دھنٹا ایک طرف چلنے لگا اور پھر کائٹے دار جہاڑیوں کی قطار کے قریب جا کر رک گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

سب لوگ تیزی سے اس کے قریب پہنچ۔

"لووہ سیر گی بھی مل گئی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

جہاڑیاں ہٹا کر سیر گی نکالی گئی۔ سیر گی پر کئی جگہ خون کی ٹھیکھیں تھیں سب لوگ اچھا مایہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

"سارا کام بہت جلدی میں کیا گیا۔" فریدی بولا۔ "سیر گی یہاں سکھ لانے والا تو اتنا بوکھلا یا ہوا تھا کہ اس نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ سیر گی کا ایک پایہ زمین پر گھستتا ہوا جا رہا ہے۔ اگر اس پائے کے بنائے ہوئے نشان میری رہبری نہ کرتے تو ڈہن اتنی جلدی ان جہاڑیوں کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

"اور سیر گی کا خیال آپ کو آیا کیسے؟" حمید نے پوچھا۔

"ٹھیک کھڑکی کے نیچے زمین پر دو عدد گول اور گھرے نشاتات دیکھ کر....." فریدی نے کھڑکی کی طرف لوٹتے ہوئے کہا۔ "اور دیوار پر کھڑکی کے قریب خون کی ٹھیکھیں بھی ہیں۔ یہ دیکھو یہ رہے سیر گی کے نشاتات۔ یہاں زمین کافی سخت ہے اور نشاتات خاصے گھرے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جلد لش نے کہا۔

”سیری ہیاں ملگوا۔“ فریدی نے کہا۔

ہیڈ کاشیل دوڑ کر سیری ہی اٹھا لایا۔

”اے دیوار سے لگا دو۔“ فریدی نے کہا۔ اور اب جلدیش تم اس پر چڑھو۔ ہاں ٹھیک اب اتر آؤ۔ دیکھو یہ نثارات اتنے گہرے نہیں ہیں۔ اب تم اگر حمید کو اپنے کامنے سے پرلا د کر چڑھ سکتے ہو تو صرف دو تین ڈنڈوں تک چڑھنے کی کوشش کرو۔“

حمدید ہٹنے لگا۔ جلدیش بھی کچھ مسکرا لیا تھا لیکن فریدی کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ دیکھ کر دونوں سنبھل گئے۔ جلدیش نے حمید کو کامنے سے پرلا د کر سیری ہی پر چڑھنا شروع کیا۔

”ٹھیک ٹھیک، بس اب نیچے اتر آؤ۔ دیکھو سنبھل کر..... ڈرونہیں..... میں سیری ہی سنبھالے ہوئے ہوں..... ٹھیک..... اب ان نثارات کو دیکھو..... قریب قریب یہ نثارات اتنے ہی گہرے ہیں جتنے کے کھڑکی کے نیچے والے۔“

”کیا مطلب.....؟“ حمید نے چوک کر کہا۔

”تم بھیش گدھے ہی رہو گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مطلب یہ کہ لاش اسی طرف سے اوپر لے جائی گئی۔“

”بہت خوب..... خون سونے کے کمرے میں کیا گیا جیسا کہ دہاں کی دیوار پر پڑی ہوئی چینیوں سے ظاہر ہے اور اسی طرف کے زینے سے اوپر لے جانے کے بجائے اس نے اتنا چکر لگایا اور بانس کی سیری ہی لگا کر لاش کو اس طرف سے اوپر لے گیا۔ گویا اچھا خاصاً احتق تھا۔“

”جی نہیں۔“ فریدی طنزی انداز میں بولا۔ ”وہ اس سے بھی زیادہ احتق تھا کیونکہ لاش کو قریب کے دریا میں پھینک دینے کے بجائے اوپر لے جا کر بحفاظت رکھ دیا اور خود یہوی سمیت دعوت کھانے چلا گیا اس نے ایسا اس لئے کیا کہ اس کی عدم موجودگی میں پولیس والوں کو زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے۔“

جلدیش ہٹنے لگا اور حمید نے جھینپ کر بظیں جھا لکنے شروع کر دیں۔

”میرا خیال ہے کہ سونے کے کمرے میں خود نہیں کوئی حادثہ چیز آیا۔ ایک سینڈل کا ندارد ہونا اسی شے کی طرف لے جاتا ہے۔“

"اور لاش.....؟" حمید جلدی سے بولا۔

"کسی دوسرے نے پھنانے کے لئے یہاں رکھ دی۔" فریدی نے پر سکون لبھ میں کہا۔

"لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟" جگد لش پریشانی کے لبھ میں بولا۔

"سعید اور اس کی بیوی کے وارثت گرفتاری جاری کر دو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ تو انہیں بے گناہ ثابت کر رہے ہیں۔"

"اگر تمہیں میرے مشورے کی ضرورت ہے تو جو میں کہوں وہ کرو..... باقیہ معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔" فریدی نے کہا۔

"بہت بہتر.....!" جگد لش نے کہا۔

"خیر یہ مسئلہ تو طے ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "اب یہ دیکھنا ہے کہ متول ہے کون؟"

"اور یہی مسئلہ سب سے میزرا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میزرا کیوں..... کیا تم اسے نہیں پہچانتے؟" فریدی نے سمجھی گی سے پوچھا۔

"جی ہاں..... میں تو اس کی سات پشت کو پہچاتا ہوں۔" حمید نہیں کر بولا۔

"نہیں..... خداق نہیں..... تم ابھی اسے پہچان لو گے۔" فریدی پھر مکان کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

یہ لوگ پھر لاش والے کرے میں لوٹ آئے۔ فریدی نے متول کی پشت سے چاؤ کھینچ کر اسے سیدھا کیا۔

"دیکھو غور سے دیکھو..... کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کمال کیا آپ نے۔" حمید نے حرمت سے کہا۔ "کیوں آپ پیچے پڑ گئے ہیں۔"

"تو تم اسے نہیں پہچانتے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں پہچانتا.....!" حمید نے کہا۔ "ویسے کچھ کچھ خیال پڑتا ہے کہ کہیں اسے دیکھا ضرور ہے۔"

"ٹھیک.....!" فریدی بولا۔ "میں یہی جاننا چاہتا تھا۔"

حمد اسے استغفار میں نظر وں سے دیکھنے لگا۔

”چھ سال ماہ قبل کی بات ہے تم نے مجھے اخبار میں ایک متعلقہ خیز تصویر دکھائی تھی..... یاد کرو..... طوطے کی چونچ جیسی ناک..... اور تم نے اس کے ماتحت پر پھینک کی تھی..... چھپر کھٹ..... کہو یاد آیا۔“

”اوہ.....!“ حمید تقریب یا جمل کر بولا۔ ”وہی..... خدا کی قسم بالکل وہی ہے۔“
”اس کا نام یاد ہے۔“

”نہیں..... نام تو نہیں یاد۔“

”یہ تو یاد ہی ہو گا کہ تصویر کس سلسلے میں پھی تھی۔“

”شاید کوئی مقدمہ تھا۔“

”ٹھیک.....!“ فریدی نے پوچھا۔ ”مقدمے کی تفصیلات یاد ہیں؟“
”نہیں.....!“

”ہاں بھی ستوجکد لیش۔“ فریدی بولا۔ ”مقتول کا نام صدر مرزا ہے۔ کنور شمشیر بہادر مر جوں کا پیچازاد بھائی۔ تم نے یہ بھی ساہو گا کہ چھٹے سال کنور شمشیر بہادر رنگون میں مچھلیوں کا شکار کھلتے وقت دریا میں ڈوب گئے تھے اور تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ ان کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔“

”وہی کنور شمشیر بہادر تو نہیں، شہر میں جن کی حوالی کا شاہزادہ شمشیر کے نام سے مشہور ہے۔“

جکد لیش نے پوچھا۔

”بالکل وہی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور جس کے لئے شاید یہ بھی مشہور ہے کہ وہاں اب بھوتوں نے قبضہ جمالیا ہے۔ ہاں تو یہ شمشیر مرزا قریب قریب بالکل دیوا لئے ہو کر رنگون چلے گئے تھے۔ وہاں ان کو یہ حادثہ پیش آیا۔ پھر رنگون ہی سے ان کے ایک داراث اور ان کی جائیداد کے دعویدار نمودار ہوئے۔ وہ بھی صدر ہیں لیکن جب بیچارے کو یہ معلوم ہوا کہ شمشیر بہادر کے پاس اس حوالی کے علاوہ کچھ اور نہیں رہ گیا تو اس کا دل ثوٹ گیا اور پھر اس کے بعد سے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں سن گیا اور اب معلوم نہیں کس نے اسے بھی مار ڈالا۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ جکد لیش وغیرہ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

”اب بھلا بتائیے۔“ جکد لیش بولا۔ ”اگر میں آپ کو ساتھ نہ لاتا تو یہ ساری باتیں کیسے

معلوم ہوتیں۔"

"لیکن ایک چیز ہمیشہ مجھے تحریر کرتی رہی۔" فریدی جلد لیش کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "رگون میں شمشیر بہادر ڈوب کر مرے اور رگون ہی سے صدر مرزا ان کا وارث بن کر آیا..... جب کروہ ہمیشہ یہی ظاہر کرتے تھے کہ ان کا کوئی وارث ہی نہیں۔"

خطیٰ مصور

تمن بجے کے قریب جلد لیش لاش کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ فریدی اور حمید ہر یہ تحقیقات کے لئے وہیں رک گئے۔

"مجھے یہ دونوں نوٹ بہت زیادہ الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آخر آپ بک والے معاملہ کو اس واقعہ سے الجھانے پر کیوں تسلی ہوئے ہیں۔" حمید بولا۔

"میں نے ابھی تک یہ تو نہیں کہا کہ ان دونوں میں کوئی تعلق ہے۔"

"آپ کی باتوں سے تو میکی ظاہر ہوتا ہے۔"

"تو پھر ممکن ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعلق پیدا ہی ہو جائے۔" فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

"خدا وہ وقت نہ لائے تو بہتر ہے۔"

"کیوں.....؟" فریدی نے حمید کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں خواہ خواہ دوڑ دھوپ کرنے کو تاپنند کرتا ہوں۔"

"پھر کیوں دوڑے چلے آئے۔"

"اپنی شرافت کا ثبوت دینے کیلئے۔" حمید نے کہا۔ "مگر افسوس تھے اس کا موقع نہ مل سکا۔"

فریدی بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ اچھا بے وقوف ہنا کر لے آیا۔" حمید نے جھپٹی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "حالانکہ یہ غلط ہے۔ میں خود ہی آتا چاہتا تھا کیونکہ میں نے عرصے سے کوئی باقاعدہ تم کا قتل نہیں دیکھا تھا۔"

"تب تو بڑا اچھا ہوا کہ تمیں شرافت دکھانے کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ تمہیں اس کا باقاعدہ

تجربہ ہو جاتا۔"

حید اس کے جواب میں پچھ کہنا چاہتا تھا مگر رک گیا۔ دن بھر کی حکمن کی وجہ سے اس کا دل ہی بولنے کون چاہتا تھا۔ فریدی اور وہ قبے کے اندر آئے اور تفتیش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن سعید کے عادات و اطوار کے متعلق معلومات کے علاوہ کوئی اور کام کی بات نہ معلوم ہو سکی۔ "معاملہ کافی الجھا ہوا ہے۔" فریدی نے قبے سے لوٹنے وقت کہا۔

"ہوں.....!" حید نے بے ولی سے جواب دیا۔

"اوہ.....!" فریدی دفعتاً چونک کر بولا۔ "پن چکلی تو رہ ہی گئی۔"

حید نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ دونوں پن چکلی کے دروازے پر آ کر رک گئے، جو اندر سے بند تھا۔

فریدی نے دروازہ کھلکھلایا۔ جواب نہار د..... وہ پرستور دروازہ کھلکھلاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔

"بھاگ جاؤ.....!" اندر سے بھرائی ہوئی آواز آئی۔ "اس وقت یہاں جنوں کے بادشاہ استحروسِ عظیم تشریف فرمائیں۔"

"دروازہ کھلو.....!" فریدی تند لپجھے میں بولا۔

"خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ پلے جاؤ۔" اندر سے آواز آئی۔

"دروازہ کھول دو..... ورنہ توڑ دیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"توڑ دیا جائے گا.....؟" اندر سے آواز آئی۔ "وکیلوں گا۔"

"ہم پولیس کے آدمی ہیں۔" حید نے کہا۔

"اچھا.....!" اندر سے آواز آئی۔ "بڑی خوشی ہوئی تم لوگوں سے ملن کر..... لیکن میں دروازہ نہیں کھول سکتا۔"

"توڑ دو دروازہ.....!" فریدی نے حید سے تھمانہ لپجھے میں کہا۔ حید نے دروازے پر دو تین لاتیں رسید کیں۔

"ارے ارے۔" اندر سے آواز آئی۔

حید اور تیزی سے دروازے کو ہلانے لگا۔

”ارے ارے..... یہ کیا کر رہے ہو بھائی۔“ اندر سے پھر آواز آئی۔

”دروازہ توڑ رہے ہیں۔“ حید بولا۔

”چھاٹھبرد..... کھولنا ہوں۔“

دروازہ کھل گیا۔ ایک میلا کچیلا آدمی اندر کھڑا دونوں کو گھور رہا تھا۔

وہ مضبوط ہاتھ پر کا ضرور تھا، لیکن انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ حد درجہ کامل واقع ہوا ہے۔

اس کی آنکھوں سے عجیب قسم کا دھیان نہ پن ظاہر ہو رہا تھا۔

”آختر تم دونوں مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔ مگر تم اس قبے کے نہیں معلوم ہوتے۔“ اس

نے کہا۔

فریدی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا اندر گھس گیا۔

”ارے ارے یہ کیا۔“ اس نے احتجاجا کہا۔

”بکومت.....!“ فریدی بولا اور مجسانہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

یہ ایک کافی لمبا چوڑا کر رہا تھا..... ایک طرف ایک پرانی چکلی نصب تھی۔ وہ ایک ٹوٹے

پھونٹے صندوق، ایک میلی سی صراحی، ایک آنکھیں اور کچھ برتن ایک کونے میں کچھ برش رنگوں
کے ڈبے اور ایک ایزیل پڑے ہوئے تھے۔ پشت پر دریا کی جانب ایک کھڑکی تھی جس میں
سافیں نہیں تھیں۔

فریدی اس آدمی کی طرف متوجہ ہوا، جو تیز اور قہر آلو دنگا ہوں سے دونوں کو گھور رہا تھا۔

”تم یہاں تھا رہتے ہو.....؟“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”نہیں..... نیبرے ساتھ جنوں کی شہزادی بھی رہتی ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”کوئی آدمی بھی رہتا ہے؟“

”نہیں..... لیکن تم مجھ سے یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔ خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ

چلے جاؤ..... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔“

”تم کیا کام کرتے ہو.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جگ مارتا ہوں..... تم سے مطلب؟“ اس نے اس انداز میں کہا کہ حمید کو بے ساختہ بھی آگئی۔

فریدی بدستور بخوبی تھا۔

”جگ مارنے کی رفتار کیا ہے؟“ حمید نے پوچھا۔
فریدی نے اسے گھوڑ کر دیکھا۔ حمید بخوبی ہو گیا۔

”سنو..... تم بہت اچھے آرٹسٹ ہو۔“ فریدی اس کے کامنے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”میں تم سے ایک تصویر بنانا چاہتا ہوں..... معقول معاوضہ دوں گا۔“

”بچھے فرصت نہیں۔“ اس نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ہر بڑا آدمی بھی کہتا ہے۔“
”نہیں نہیں، بچ کہتا ہوں۔“ اس نے کچھ طالع پڑتے ہوئے کہا۔

”چلو بھی یار بچ کہتا ہوں..... خوش کر دوں گا۔“ فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔
اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

”تو تم بنا رہے ہو میرے لئے تصویر۔“ فریدی نے پھر کہا۔
”کیا بناؤ گے؟“

”ایک عورت کی تصویر جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ایک سگریٹ ہو گی تمہارے پاس۔“

”میں سگریٹ نہیں پیتا۔“
”بالکل نہیں؟“

”نہیں بچھے منہ سے دھوان نکالنا پسند نہیں۔“ اس نے کہا۔ ”اور نہ میں اپنے قریب کسی آدمی کا وجود برداشت کر سکتا ہوں۔“

”کل رات یہاں کون آیا تھا۔“ فریدی نے اچانک پوچھا۔
”وہ چوک پڑا لیکن دسرے ہی لمحے میں مسکرانے لگا۔“

”پر یاں آئی تھیں وہ رات بھر لوریاں دے دے کر بچھے سلاطی رہتی ہیں۔“

”میں پوچھتا ہوں کل رات کو یہاں کون آیا تھا۔“ فریدی نے تھکمانہ لجھ میں پوچھا۔
”میں بتا تو رہا ہوں۔“

اچانک فریدی نے اسے اس زور کا چانوار سید کیا کہ وہ لڑکھڑا گیا۔

”کون آیا تھا..... یہاں کل رات کو۔“ فریدی پھر گر جا۔
اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

”کون آیا تھا۔“ فریدی مکاتا نتھے ہوئے دانت چیس کر بولا۔

”بتابا ہوں۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے اپنے دفونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال لئے اور اسے تیز نظروں سے
گھورنے لگا۔

”اس نے مجھے دس روپے دیئے تھے۔“ اس نے جیب سے دس روپے کا ایک نوٹ کاں
کر فریدی کو دکھاتے ہوئے کہا۔

”وہ کون تھا.....؟“

”یہ میں نہیں جانتا..... اس نے یہاں ایک رات بر کرنے کے لئے مجھے دس روپے
دیئے تھے۔“

”اس کے ساتھ کے دوسراے آدمیوں نے کہاں رات گزاری تھی۔“

”اس کے ساتھ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔“

”اس کا نام پوچھا تھا تم نے۔“

”اس نے نہیں بتایا۔“

”اس سے پہلے تم نے اسے کہاں دیکھا تھا۔“

”کہیں نہیں۔“

”وہ کیسے تھا۔“

”ادیغہ عمر کا ایک بھاری مجرم آدمی۔“

”کیا بہت موٹا تھا۔“

”باقل نہیں..... وہ موٹا نہیں تھا..... پھر بھی بھاری بھر کم معلوم ہو رہا تھا۔“
 ”کیا کوئی بڑا آدمی معلوم ہوتا تھا۔“

”ہاں.....!“

”تو اس نے رات سینہن گزاری تھی۔“

”نہیں تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا تھا۔“

”تو پھر اس نے تمہیں دس روپے کس بات کے دیے تھے۔“

”اس لئے کہ کم از کم رات بھر میں اپنا منہ بند رکھوں۔“

”یعنی.....؟“

”رات بھر اس کے متعلق کسی سے کچھ نہ کہوں۔“

”اوہ.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”سعید کے متعلق تم نے سنًا۔“

”ہاں.....!“ اس نے جواب دیا اور اس کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہونے لگا۔

”تمہارے اس کے تعلقات کیسے تھے۔“

”میں امیر آدمیوں سے کسی قسم کا اتعلق رکھنا پسند نہیں کرتا۔“

”کیا وہ ایسا آدمی تھا کہ کسی کو قتل کر دے۔“

”میں اس کے متعلق بھی کچھ نہیں بتا سکتا۔“

”تمہارا ذریعہ معاش۔“

”تصوری۔“

”برادو قات مشکل سے ہوتی ہوگی۔“

”یہ میرا نجی معاملہ ہے۔“

”کل رات تم نے یہاں قریب ہی کوئی چیز سنی تھی۔“

”نہیں.....!“

”اچھا یہ لوڈ روپے تصویر بنا دینا کسی دن آ کر لے جاؤں گا۔ بقیہ نیک روپے پھر دوں گا۔“

فریدی نے توٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور دونوں باہر چلے گئے۔

”اس خلی مصور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔“ حمید نے پوچھا۔
”آدمی مخلوک معلوم ہوتا ہے۔“

”کیا آپ کو اس کی کہانی پر یقین آگیا ہے۔“

”اس کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”آپ تو سگریٹ پیتے نہیں پھر آپ نے اس سے سگریٹ کیوں مانگا تھا۔“

”محض یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ سگریٹ پیتا ہے یا نہیں۔“

”اسے معلوم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”یہ معلوم کئے بغیر میں یہ اندازہ لگای نہیں سکتا تھا کہ اسکے یہاں رات کوئی آیا تھا یا نہیں۔“

حمدی اس طرح ہنسنے لگا جیسے فریدی نے کوئی بہت ہی بے شکی بات کہہ دی ہو۔

”اس طرح مت ہنسو پیارے میں نے وہاں“ ”کاروان آئے“ سگریٹ کے دو تین جلے ہوئے نکلاے دیکھے تھے۔ میرے خیال سے اس قصہ میں تو کوئی اس سگریٹ سے شوق نہ کرتا ہوگا۔“ حمید بخوبی ہو گیا۔

”حد ہے۔“ وہ سمجھیگی سے بولا۔ ”آپ اتنی سی چیزوں پر نظر رکھتے ہیں۔“

بھوت

سید کوہش آیا تو اس نے خود کو ایک تاریک کمرے میں پایا جس کی ساری کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ سر کے پچھلے حصے میں کچھ اسی تکلیف محسوس ہو رہی تھی جیسے کوئی وہاں پر ہتھوڑے مار رہا ہو۔ اس کا ہاتھ بے اختیار سر پر گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ سر پر پیٹی بندھی ہوئی ہے۔ دھنٹا اسے سارے واقعات یاد آگئے۔ اس کے سر پر کوئی وزنی چیز گرفتی تھی۔ ۰۰ اش.....

بیوی کی بے ہوشی، آخر وہ ہے کہاں، اس نے لیئے ہی لیئے ادھر ادھر ہاتھ چلائے۔ وہ ایک عجین فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی۔ داہنی کہنی زمین پر بیک کر اس نے سراہا بیا ہی تھا کہ اسے دور قدموں کی آہت سنائی دی، جو لمحہ بے لمحہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اسی کمرے کا ایک دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ تاریکی میں ایک متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سعید کے قریب آ کر رک گیا۔

”کیا تمہیں ہوش آ گیا تھا۔“ ایک آواز آئی۔

”ہاں.....!“ سعید نے جلدی سے کہا۔ ”لیکن تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں۔“

”تم جہاں بھی ہو خیر بہت سے ہو گے۔ کوئی گھبرا نے کی بات نہیں۔“

”میں یہاں کیوں لا یا کیا ہوں۔“ سعید نے پوچھا۔

”کسی بُری نیت سے نہیں۔ ایک خاص مقصد کے تحت جس کے پورا ہوتے ہی تم چھوڑ دیے جاؤ گے۔“

”لیکن تم ایک جرم کر رہے ہو۔ کسی شہری کو اس طرح بند کر کے رکھنا قانوناً جرم ہے۔“

”میں جانتا ہوں..... لیکن تمہارا قانون میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“ آواز آئی۔

”تم مجھے چھوڑ دو بہتر سیکی ہے۔“

”مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اگر تم بھاگنے کی کوشش کرو گے..... ذرا اوپر نظر اٹھاؤ..... وہ روشنداں دیکھ رہے ہے وہ جس سے کچھ کچھ روشنی آ رہی ہے۔ وہاں ایک آدمی رانفل لئے تمہاری مگر انی کر رہا ہے۔ تم ملے اور اس نے گولی چلانی۔ کیا سمجھے؟“

”تم آخر ہو کون.....؟“ سعید نے پوچھا۔

غالباً اس کے جواب میں ایک عجیب طرح کی تکنیکاہت سنائی دی اور پھر آہتہ آہتہ وہی تکنیکاہت ایک دشت ناک قبیلے میں تبدیل ہو گئی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ سعید کے جسم کے سارے روکھیے کھڑے ہو گئے۔ اسکی بھیاں کاف آواز والا اور اتنا پر اسرار قبیلہ اس نے آج تک نہ ساختا۔

آنے والے نے دفعتا دیا سلامی جالائی اور سگر بہت سلاکا نے لگا۔

سعید کے من سے بے اختیار، چیز نکل گئی۔ وہ بُری طرح لرز رہا تھا۔

"مگر تم..... تم.....!" سعید ہکلایا۔ "تم..... میرے مکان میں تمہاری ااش.....!"
 "تو کیا یہ دلچسپ بات نہیں۔" آواز آئی۔
 سعید کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ کمرہ مل رہا ہو۔

"ای سے تم اندازہ لگا سکتے ہو..... کرم کہاں ہو۔" آواز پھر سنائی دی۔
 "تم کاشانہ شمشیر میں ہو..... نام نہیں ہے۔ کبھی کاشانہ شمشیر کا۔"

"کاشانہ شمشیر....." سعید سوچنے لگا۔ "کاشانہ شمشیر، کنور شمشیر بہادر کی حوصلی..... جس کے متعلق مشور ہے کہ وہاں بجوت رہتے ہیں۔" سعید کے جسم سے مخندنا مخندنا پیٹھ چھوٹ پڑا۔ اور کمرہ اور زور سے پٹنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کرہ آہستہ آہستہ ہواں انہر رہا ہو۔ پھکو لے لیتا ہوا سعید بے ہوش ہو گیا۔

تحوڑی دیر بعد وہ پھر ہوش میں آگیا۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ خود اپنی سانس کی آواز اسے اُسی معلوم ہو رہی تھی جیسے پھر اہوا سمندر چنانوں سے ٹکرار رہا ہو۔

کافی عرصے تک وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ روشنی دن بھر کی طرف رینگنے لگا۔ کی روشنی آرہی تھی اب بالکل تاریک ہو چکا تھا۔ سعید آہستہ آہستہ دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ تحوڑی دور چل کر وہ رک گیا لیکن کہیں کسی قسم کی کوئی نہ دی۔ اس نے دروازے کو پکڑ کر آہستہ سے اپنی طرف کھینچا۔ اس کا دل شدت سے دھن کئے لگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دروازے میں تحوڑی کی درز کی اور پاہر جھانکئے لگا۔ برآمدہ بالکل تاریک تھا اور چاروں طرف سنا۔ وہ آہستہ آہستہ پیٹھ کے مل رینگتا ہوا براہمے میں آیا۔

اور اب وہ مہندی کی باڑھ کی اوٹ لے کر جھکا ہوا حتی الامکان تجزی سے چاہاں کی طرف دوڑ رہا تھا۔ ایک آدھ بار بیچن میں وہ اپنے باپ کے ساتھ یہاں آچکا تھا اس لئے اسے چاہاں تک پہنچنے میں کوئی وقت نہ ہوئی۔ چاہاں پہنچ کر اس نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا۔ پوری تمارت سفستان پڑی تھی۔ قدم قدم پر اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دہشت ناک قہقہہ کہیں دور فضا میں گونخ رہا ہو۔ چاہاں سے نکلتے ہی اس نے اپنی پوری قوت سے دوزنا شروع کر دیا۔ آبادی کے قریب پہنچنے پہنچنے اس کا دم پھول گیا۔

کچھ دیر بعد وہ شہر کی پرورفت سڑک پر آگیا۔ کلاگ ٹاور نے تو بجائے۔ سردی کے مارے اس کا نہ احوال ہو رہا تھا۔ اس نے ایک ٹیکسی کی اور دلاؤ پور کی طرف روازنہ ہو گیا۔ تمام راستہ وہ سوچتا رہا کہ اس کی بیوی اسے دیکھتے ہی روٹا شروع کر دے گی۔ یقیناً وہ بہت زیادہ پریشان ہو گی اور اس لاش کا خیال آتے ہی وہ لرزاتھا۔ کہیں پولیس نے اس کی بیوی کو پریشان نہ کیا ہو۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں حوالات میں بند کر دی گئی ہو۔ مگر وہ تو وہاں موجود تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لاش محض دھوکا ہو..... تو پھر اسے بند کر کئے کیا مقصد تھا اور وہ پراسرار اجنبی کہاں غائب ہو گیا۔ کیا اس آدمی کو اسی نے قتل کیا تھا۔ مگر وہ تو شمشیر بھاری کی حوصلی میں دکھائی دیا تھا۔ کیا کچھ بھجوت..... اور وہ انہی خیالات میں الجھا ہوا اپنے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔

ڈرائیور کو رکنے کے لئے کہہ کر وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔

”کون ہے.....؟“ برآمدے سے ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

”میں ہوں.....؟“ سعید نے جواب دیا۔

”کون کسان صاحب۔“ دوسرے لمحے میں ایک بادردی پولیس میں اس کے سامنے کھڑا اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ رہا تھا۔

”میری بیوی کہاں ہے؟“ اس نے بے اختیار پوچھا۔

”لاپتہ..... آپ دونوں کا وارنٹ جاری ہو چکا ہے۔“

”وارنٹ.....؟“ سعید چونک کر بولا۔

”جی ہاں..... کیا یہ کم صاحب آپ کے ساتھ نہیں؟“ پولیس میں نے پوچھا۔

”نہیں.....!“ سعید کا دل بڑی شدت سے ہڑ کے لگا۔

”آپ مہربانی کر کے میرے ساتھ چوکی تک بچلے۔“

”چلو بھی چلو..... خدا کے لئے جلدی کرو..... آخر رضیہ کہاں گئی۔“ سعید نے کہا۔

ٹیکسی چوکی کی طرف جارتی تھی۔

سعید کو دیکھتے ہی ہیڈ کا شبل اچل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا کہے۔

سعید اتنا ہر دلجزیر تھا کہ اس پر ایسے عظیم جرم کا الزام ہوتے ہوئے بھی پولیس والوں کے دل

میں اس کی عزت تھی۔

"میں نے قتل نہیں کیا۔" سعید بے ساختہ بولا۔

"ہمیں اس کا یقین ہے۔" ہیڈ کاشیبل نے تاسف آمیز لمحے میں کہا۔

"میری بیوی کہاں ہے؟"

"اوہ تو کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں تھیں؟"

"نہیں.....!" سعید نے کہا اور جلدی جلدی سارے واقعات دہرا دیے۔

ہیڈ کاشیبل کے چہرے سے اس کی ذہنی ابھن صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ سعید کی داستان کا کون سا حصہ صحیح ہے اور کون سا غلط۔

"آپ کو میرے ساتھ شہر چلنا ہوگا۔" ہیڈ کاشیبل بولا۔

"بھی مجھے سردی لگ رہی ہے۔ ذرا گھر سے اور کوٹ تو لے لوں۔"

"گھر میں آزری بھڑیت صاحب کے سامنے تالا لگ پکا ہے۔" ہیڈ کاشیبل نے کہا۔

"میں اپنا کوٹ لے آتا ہوں۔"

سعید کی ابھن اور بڑھ گئی۔

تحوڑی دیر کے بعد لیکسی شہر کی جانب جا رہی تھی۔

کوتالی کے ایک کمرے میں جگد لیش فریدی اور سرجنت حید پہنچے آج کے واقعات پر تبرہ کر رہے تھے کہ اچاک ہیڈ کاشیبل سعید کو لے کر اندر واصل ہوا۔

"مجھے اس کی فکر نہیں کہ میں کس جرم میں ماخوذ کیا گیا ہوں۔ اس کا فیصلہ تو بعد کو ہوتا رہے گا۔" سعید نے کہا۔ "مجھے سب سے زیادہ پریشانی اپنی بیوی کی ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" جگد لیش نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" سعید نے کہا اور ایک بار پھر اسے پوری داستان دہرانی پڑی۔

"کیا وہ اپنی کافی بھاری بھر کم معلوم ہو رہا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"بھی ہاں۔" سعیدی جلدی سے بولا۔ "اس کی شخصیت میں کبھی چیز سب سے زیادہ عجیب

تھی کہ وہ موٹا نہ ہونے کے باوجود بھی کافی بھاری بھر کم معلوم ہو رہا تھا۔"

”عمر.....؟“

”میرے خیال سے بچاں اور سانحہ کے درمیان لیکن تدرستی بہت اچھی تھی۔“

”آنکھوں کا رنگ!“

”شاید بجورا تھا۔“

”خرا آگے چلے۔“

سعید بقیہ واقعات بتانے لگا۔ فریدی بغور اس کے چہرہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جگد لیش کے چہرے سے ایسا ظاہر ہوا رہا تھا جیسے وہ ایک لغوار میں گھڑت کہانی سن رہا ہو۔ بھی بھی اس کے چہرے پر خفیہ سی مسکراہٹ نمودار ہو جاتی تھی۔ لیکن فریدی قطعی سنجیدہ تھا۔

جب سعید داستان کے اس حصے پر پہنچا جہاں کا شانہ شمشیر کے بھوت کا مذکورہ تھا تو بے اختیار جگد لیش کو بُٹی آگئی۔ سعید نے اسی نظرؤں سے دیکھا جن میں بے چارگی نظرت اور غصہ بھی کچھ تھا۔

”ہاں ہاں آپ بیان جاری رکھئے۔“ فریدی نے جگد لیش کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

سعید نے مختصر الفاظ میں داستان کا بقیہ حصہ بھی ختم کر دیا۔

”آپ کو یقین کاں ہے کہ وہ وہی شخص تھا جس کی لاش آپ نے اپنے کمرے میں دیکھی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اس پر مجھے اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت آپ لوگوں کے پاس بیٹھا ہوں۔“ سعید نے کہا۔

”تو یہ کوئی تی بات نہیں۔“ جگد لیش نے طنزی لپھے میں کہا۔ ”اس عمارت کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ آسیب زدہ ہے۔“

”میں یہ نہیں ثابت کرنا چاہتا۔“ سعید نے بے صبری سے کہا۔ ”میرا یقین ان لغویات پر نہیں۔ مجھے جو حادثہ ہیں آیا میں نے بیان کر دیا اور نہ مجھے اپنے اوپر لگائے گئے الزام کی پرواہ ہے۔ اگر میں خدا کی نظرؤں میں بے قصور ہوں تو کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے اپنی بیوی کی گشادگی کی وجہ سے پریشانی ہے۔ کہیں وہ بھی ان بدعاشوں کے چنگل میں نہ پھنس گئی ہو۔“

"تو آپ کا شے اسی بھاری بھر کم اچھی پر ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"حالات کچھ ایسے چیز آئے جن کی بنا پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں۔" سعید نے جواب دیا۔

"ہمیں سور و پے کے دونوں آپ کے یہاں پڑے ہوئے ملے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"پڑے ہوئے ملے تھے۔" سعید نے کہا۔ "کم از کم وہ میرے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ میں

بک سے سور و پے کے نوٹ لیتا ہی نہیں اور اس دوران میں تو خاص طور پر میں نے سو کے نوٹ کسی سے لئے ہی نہیں۔ لیکن شہر یے..... کیا آپ کو ڈرائیک روم میں وہ نوٹ ملے تھے۔"

"نہیں اسی کمرے میں صوفی کے پیچے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔"

سعید کچھ سوچنے لگا۔

"جی نہیں..... وہ نوٹ میرے نہیں ہو سکتے۔" سعید نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن آپ نے ڈرائیک روم کا حوالہ کیوں دیا۔"

"اس اچھی نے مجھے دہاں اپنے یہاں ایک رات بر کرنے کے لئے نوٹوں کا ایک بندل

دیا تھا جسے میں نے وہیں یہ کہہ کر ڈال دیا تھا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

"نوٹوں کا بندل.....!" فریدی چوک کر بولا۔

"مجی ہاں۔"

"لیکن دہاں ہمیں کوئی بندل نہیں ملا۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے وہ جاتے وقت اپنے ساتھ لیتا گیا ہو۔" سعید نے جواب دیا۔

ٹھوڑی دیر بعد سعید کو حالات میں بند کر دیا گیا۔

"پھر وہی نوٹوں کا قصہ.....!" فریدی کچھ سوچنے ہوئے بولا۔ "بک میں کچھ گزر بڑا ضرور ہوئی ہے۔"

"کمال کر رہے ہیں آپ بھی۔" حمید نے کہا۔ "بک والے کہتے ہیں کہ بفضلہ سب خیریت ہے اور آپ ہیں کہ خواہ خواہ۔"

"تم ابھی صاحب زادے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"اور میں انشاء اللہ ہمیشہ صاحبزادہ ہی رہوں گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیونکہ غیر صاحبزادہ

ہونا کچھ اچھی بات نہیں۔“

”تمہاری ڈفلی ہمیشہ الگ ہی ہوتی ہے۔“ فریدی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

”ڈفلی کے علاوہ میں کبھی کبھی سارگلی اور ہمار موئیم سے بھی شوق کر لیا کرتا ہوں۔“ حمید نے

سمجھ دیا۔

”اچھا فضول بکھر نہیں۔“

فریدی یہ کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا اور چند لمحوں بعد وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

حمد اور جلد لیش پچکے سے اٹھ کر باہر چلتے گئے۔

تحوڑی دیر بعد ٹلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی چوک پڑا۔

”ہیلو.....!“ اس نے رسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں..... ہاں..... فریدی.....

اچھا..... اچھا..... کیا کہا زمرد محل میں..... نہیں نہیں دھوکا ہوا ہوگا..... کیا اس نے خرید لیا

تھا.....؟ مجھے اس کی اطلاع نہیں..... وہاں کرایہ دار بھی ہیں..... اچھا ان پر کڑی نظریں

رکھتا..... وحید اور کرن سلگھ کو بھی ابھی بھیجا ہوں..... انہیں سب کچھ سمجھا کر تم واپس آ جانا..... اور

کوئی بات.....؟ وحید اور کرن سے کہہ دینا کہ اگر کوئی اور بات ہو تو مجھے گھر پر فون کر دیں.....

اچھا.....!“ فریدی نے رسیور رکھ دیا اور کچھ بے جملہ سانظر آنے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ تھہر کر

اس نے پھر فون پر کسی کو کچھ ہدایتیں دیں اور کرے میں بے چینی سے ٹھیٹھے لگا۔

انتہے میں حمید اور جلد لیش واپس آگئے۔ فریدی بدستور نہ ملارہ۔

”تو تم لوگ چائے پی آئے۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ کے لئے بھی کہہ آیا ہوں آہی رہی ہوگی۔“ جلد لیش نے کہا۔

”جلد لیش ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم نے سیم کے متعلق بھی کچھ تحقیقات کی یا نہیں؟“

”کچھ پتہ نہیں چل سکا۔“

”پہنچانے کا کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔“

”طریقہ؟ بات دراصل یہ ہے کہ گنگوہ نے بھی نہیں بتایا اور پھر ادھر ادھر دلاور پور.....!“

”معلوم نہیں تمہیں کب عقل آئے گی..... سب سے زیادہ ضروری چیز بھی تھی۔“

”غلطی ہو گئی۔“

”خیر..... وہ زمر دھکل میں رہتا تھا۔“

”زمر دھکل میں؟“

”ہاں..... اس نے اسے حال ہی میں خریدا تھا۔“

”خریدا تھا.....؟“ جگد لیش پھر متوجہ انداز میں بولا۔

”اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟“

”کیا وہ واقعی بہت مالدار آدمی تھا.....؟“

”ہاں..... اور پر لے سرے کا کنجوں..... اور اسکے ساتھ اس کی ایک بیوہ بھن بھی رہتی تھی۔“

”بال بچے.....؟“

”کوئی نہیں..... اس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔“

ٹلی فون کی گھنٹی بجی۔ جگد لیش نے رسیور انھالیا۔ پھر فریدی کی طرف بڑھ کر بولا۔ ”آپ

کا ہے۔“

”ہیلو..... ہاں..... ابھی وحید وغیرہ نہیں بچے..... اچھا..... اور کوئی خبر..... ہاں.....

ہاں.....!“

کوئی بھی داستان تھی جسے فریدی بڑی توجہ کے ساتھ سن رہا تھا۔ بار بار اس کے پر بے پر

تعجب کا اظہار ہونے لگتا تھا۔ آخر اس نے رسیور رکھ دیا۔

”دیکھو جگد لیش.....!“ فریدی بولا۔ ”یہ سب کچھ دراصل تمہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”میں آپ سے حق کہتا ہوں کہ میں خواہ مخواہ اس مجھے میں پھنس گیا..... مجھے تو کسی فلم کمپنی میں ہونا چاہئے تھا۔“

”خیر..... خیر.....!“ فریدی ہاتھ پر انھا کر بولا۔ ”ابھی ابھی سلیم کے متعلق کچھ اور بھی

دلچسپ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اس کی کنجوں کے متعلق پہلے ہی بتا چکا تھا۔ حفظ کرایہ وصول کرنے کے لئے اس نے زمر دھکل جیسی شاندار عمارت کا ستیا ناں کر دیا۔ جتنے حصوں میں اسے بانٹ سکتا تھا باشت کر انہیں کرائے پر انھائے ہوئے تھا۔ خیر یہ تو معمولی بات ہے، حد ہو گئی کنجوں کی کہ اس

کی بہن اس کے گھر میں رہتے ہوئے کرایہ داروں کے لئے کھانا پکا کر بسا واقعات کرتی تھی اور وہ کرایہ دار ایسے ہیں جن کے ساتھ ان کی بیویاں نہیں ہیں وہ اسی سے کھانا پکواتے ہیں۔“

”تو میرے خیال سے مجھے اسی وقت زمرہ محل میں جانا چاہئے۔“ جلدیں نے کہا۔

”یقیناً.....!“ فریدی بولا۔ ”اس وقت سارے کرایہ دار بھی موجود ہوں گے۔ ان سے سلیم

کے کچھ اور حالات بھی معلوم ہوں گے۔“

فریدی میدان عمل میں

فریدی اور حمید دو پہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ وفاتی فون کی تھی بھی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھایا۔

”میلو..... ہاں..... ہاں..... میں ہوں فریدی..... کیوں بھی کیا معاملہ ہے..... کیا..... کون غائب ہو گیا..... کیا کہا..... سنگوئی؟..... کب..... دیکھو..... جلدیں معاملہ کافی گزتا چارہ ہے..... اور تم کوئی خاص دھیان نہیں دے رہے ہو۔ زمرہ محل کی انکوارری کا کیا رہا..... کچھ نہیں..... بہت خوب..... تب تو خدا ہی مالک ہے..... میں ابھی فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا..... بہر حال اب تو میں نے اس معاملہ کو ہاتھ میں لے لیا ہے..... اچھا بھی..... کھانا کھا رہا ہوں.....!“ فریدی نے رسیور رکھ دیا۔

”سماجی.....!“ فریدی نے رسیور رکھ دیا۔

”خدا نے چاہا تو دو چار سوچتے بعد اس کی لاش بھی کہیں نہ کہیں دستیاب ہو جائے گی۔“ حمید

نے کہا۔

”کیوں.....؟“ فریدی نے اسے سوالی نگاہوں سے دیکھا۔

”جہاں آپ نے کسی کیس میں ہاتھ لگایا..... الاشون میں برکت ہونی شروع ہو جاتی ہے۔“

”کیا فضول بک رہے ہو۔“

”خبر نہ گھوڑا دور، نہ میدان۔“

”فضول وقت نہ ضائع کرو۔ میں عجائب خانے جا رہا ہوں اور تمہارا اس وقت زمر دلکل پہنچنا بہت ضروری ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو کسی قسم کا شہر نہ ہونے پائے۔“

”ذرما اور وضاحت کے ساتھ کہئے۔“ حمید نے کہا۔

”مطلوب یہ کہ وہاں سرجنت حمید ہی کی حیثیت سے جانا..... زیادہ ہوشیاری کی ضرورت نہیں۔ مجھے وہاں کے کچھ کرایہ داروں پر شبہ ہے۔“

حید کو کچھ اور ہدایتیں دے کر فریدی عجائب خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ عجائب خانے کا منتظم فریدی کی آمد پر کچھ بولکھلا سا گیا تھا۔

”میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی۔“ فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں..... فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”یہاں کوئی آدمی سلیم ناہی طالزم تھا.....؟“

”سلیم.....!“ منتظم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”سلیم..... اوہ ناؤں تو نہیں؟“

”مجی ہاں.....!“ فریدی نے کہا۔ ”کیا اس نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ ناؤں ہے؟“

”مجی ہاں..... کچھ عجیب ہی شخصیت کا آدمی تھا۔“

”یہاں اس کے پروردگار کام تھا.....؟“

”شعبہ کاغذات کی دیکھ بھال.....!“

”شعبہ کاغذات سے آپ کی کیا مراد ہے؟“

”ہمارے یہاں ایک سیکشن کاغذات کے نمونوں کا بھی ہے جہاں زمانہ قدیم سے لے کر اب تک کے کاغذات کے نمونے موجود ہیں۔“

”اوہ.....!“ فریدی کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

اچاک ایک چاقو بڑی تیزی سے اس کے کامنے کو مس کرتا ہوا اس کی پشت کی طرف ایک الماری کے ششے سے جا گل کرایا۔ فریدی اچھل کر اس کھڑکی کی طرف دوڑا جدھر سے چاقو آیا تھا۔ باہر رہداری بالکل سنان پڑی تھی اور اسے کوئی تنفس نظر نہ آیا..... اس نے واپس آ کر چاقو دیکھا۔

متفہم کا رنگ زرد پڑھ کا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کی یہاں موجودگی کے دوران یہ حادثہ پیش آیا۔" متفہم نے مگرائے ہوئے لبھ میں کہا۔

"یہ میرے لئے کوئی تین بات نہیں۔ آپ فکر نہ کیجئے۔" فریدی نے کہا اور رومال کو چاقو میں پیٹ کر جیب میں رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔

گھر پر حید اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کہو بھی ہو آئے.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"تھی یہاں کتنی کام کی باتیں معلوم ہوئیں۔"

"خود وہ پھر سنوں گا۔" فریدی نے الماری کھول کر اس میں سے ایک چاقو نکالا اور محرب ششے کے ذریعے اس کے دستے کو غور سے دیکھنے لگا۔

"کیوں حید..... کیا یہ دونوں چاقو ایک ہی طرح کے نہیں ہیں۔"

"ہیں تو.....؟"

"ان میں سے ایک تو وہ ہے جو سعید منزل والی لاش سے نکالا گیا تھا اور دوسرا وہ جس سے آج مجھ پر حملہ کیا گیا۔"

"آپ پر.....؟" حید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں.....!" فریدی نے کہا اور اپنی عجائب خانے کی تفتیش کے متعلق بتانے لگا۔

"تو یہ کہئے آپ نے بنک اور سعید منزل کو ایک رشتہ میں خسلک کر دیا۔" حید نے کہا۔

"اب ہمیں جیل میں چل کر سعید سے ملتا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

دونوں کار میں بینہ کر جیل کی طرف روانہ ہو گئے۔

”کیا رہا تمہاری تفتیش کا.....؟“ فریدی نے راستے میں پوچھا۔

”سلیم کی بیوہ بہن سے ملاقات ہوئی۔ عمر تقریباً اٹھائیں سال رنگ گورا، آنکھیں خصوصیت سے قابل ذکر..... ہستے وقت گالوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ بیووں کی بناوٹ کچھ اس قسم کی ہے کہ دل میں بے اختیار گدگدی ہونے لگتی ہے۔ چال میں خفیف سی پلک ہے۔ آج سفید سلک کا غرارہ پہنے ہوئے تھی..... بس آپ سے کیا عرض کروں۔“

”کیا میں نے تمہیں وہاں اسی لئے بھیجا تھا۔“ فریدی نے بُرا اسمانہ بنا کر کہا۔

”چھ.....؟“ حمید نے بھولے پن کی ایکنگ کرتے ہوئے پوچھا۔

”بکومت.....!“ فریدی نے کہا۔ ”ہر وقت مذاق اچھائیں لگتا۔“

”خیر سنئے.....!“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”عورت مشتبہ ہے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوا ہے کہ اس پر اس کے بھائی کی موت کا کوئی اثر نہیں۔ اس کا تذکرہ آنے پر وہ دوچار خشنڈی سائیں ضرور بھرتی ہے لیکن بناوٹ کا چھپنا محال ہے۔“

”خیر یہ بالکل قدرتی امر ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بھائی کے ہوتے ہوئے بھی اسے خود محنت کر کے اپنا پیٹ پالنا پڑتا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ اپنے بھائی کی دولت کی تھا وارث ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ معموم نہیں دکھائی دیتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔“

”خیر دوسری بات سنئے۔“ حمید نے کہا۔ ”وہاں مجھے ایک ایسا صندوق نظر آیا جس پر رنگوں کی ایک جہاز ران کمپنی کی سلپ چکلی ہوئی تھی۔“

”رنگوں.....!“ فریدی پوچکر بولا۔ ”یہ بات تم نے کام کی بتائی۔“

”تیرسی بات ملاحظہ ہو۔“ حمید خریزی انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”مجھے صرف ایک کرایہ دار مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ صبح چار بجے گھر سے چلا جاتا ہے اور بارہ بجے رات کو واپس آتا ہے۔“

”مجھے اس کی اطلاع ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”خیر..... اس سے متعلق کیا معلوم کیا.....؟“

”یہاں سے کلکتے مچھلیاں بھیجا ہے..... دل اور پور میں اس نے کئی گھاث لے رکھے ہیں، جہاں اس کے آدمی مچھلیاں پکلتے ہیں اور وہ بھی غالباً دن بھر وہیں رہتا ہے اور اس کا نام ہے جادو۔ شاہ جہاں پور کا رہنے والا ہے۔ اس کے پاس ایک کار بھی ہے۔ اس کے آنے اور جانے

کے اوقات ایسے ہیں کہ سلیم کی بہن نے بھی آج تک اسے دیکھا ہی نہیں۔ وہ سرے کرایہ داروں سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کے صورت آشنا نہیں ہیں۔“

”یہ بھی مجھے معلوم ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”جب آپ کو سب معلوم ہی تھا تو آخر تھے دوڑانے کی کیا ضرورت تھی۔“ حمید نے جلا کر کہا۔

”نہیں تم ایک کام کی بات معلوم کر کے آئے ہو، جس کی اطلاع مجھے نہ تھی۔“ فریدی نے کہا۔
حید اسے استفہامیہ نظر وہ دیکھنے لگا۔

”صد ووچ والی بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔

حمد خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

”آخ صندوق والی بات آپ کو کیوں کام کی معلوم ہوئی۔“ حمید نے پوچھا۔

”اس لئے کہ تھا را حافظہ بہت کمزور ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا تمہیں نہیں معلوم کر صدر مرزا رنگون سے آیا تھا۔“

”تو شاید آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی سلیم ہی کے بیہاں تھے اتحا۔“

”میں یہ تو نہیں کہتا۔“ فریدی نے جواب دیا۔

پھر دونوں خیالات میں ڈوب گئے اور بقیہ راست خاموشی سے گزر گیا۔

سعید بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے اپنی بیوی کے متعلق پوچھا۔

”گھبرائے نہیں..... وہ بہت جلدی جائیں گی۔“ فریدی نے کہا۔

”مجھے اپنی کوئی پرواہ نہیں۔“ سعید نے کہا۔

”میں سمجھتا ہوں.....!“ فریدی نے کہا۔ ”میں ایک بات آپ سے پوچھنے کیلئے آیا ہوں۔“

”فرمائیے۔“

”آپ سلیم کو جانتے ہیں؟“

”کون سلیم.....؟“

”وہی جس سے ملتے کے لئے اکثر آپ عجائب خانے جلایا کرتے تھے۔“

”اوہ..... ہاں..... میں اسے جانتا ہوں۔“

”اس سے جان پچان کی نوعیت کیا تھی؟“

”میرے خیال سے تو اسے محض کار دباری ہی سمجھنا چاہئے۔“ سعید نے کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”وہ مجھ سے مختلف قسم کے کاغذ بنانے کی تدبیریں پوچھا کرتا تھا۔“ سعید نے کہا۔

”کیا وہ اس کار دبار کو کرنا چاہتا تھا.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں..... وہ دراصل ایک ناول نویس تھا۔ شاید اپنے کسی ناول میں کاغذ اور کاغذ کے کارخانوں کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا تھا۔“

”اوہ.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا وہ بھی دل اور پوربھی جانتا تھا۔“

”اکثر.....!“

”آپ ہی سے ملتے یا کسی اور کے پاس۔“

”کسی دوسرے کے متعلق میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“

فریدی پھر کسی گھری سوچ میں پڑ گیا۔

”اچھا تو خاص طور پر کس قسم کے کاغذ کے متعلق جانتا چاہتا تھا۔“ فریدی نے اچاک پوچھا۔

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ نوٹ بنانے والے کاغذ پر زیادہ وقت صرف کرتا تھا۔“

”اوہ.....!“ فریدی نے کہا اور دفعتاً اسکی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چک پیدا ہو گئی۔

حید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کی چک اس کی آنکھوں میں کن موقعوں پر پیدا ہوتی ہے۔

”اچھا.....!“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”دیکھنے..... میں ایک بار پھر آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ میری بیوی کا خیال رکھئے گا۔“

سعید بولا۔

”آپ مطمئن رہئے۔“

فریدی اور حید جیل کے دفتر میں آئے۔ راستے پر فریدی قطی خاموش رہا۔ دفتر میں آکر

فریدی نے ٹلی فون کارسیور اٹھایا۔

”ہیلو..... جگد لش صاحب ہیں..... ذرا فون پر بلا دیجئے..... ہیلو جگد لش میں فریدی بول رہا ہوں ہاں دیکھو بھی مجھے شبہ ہے کہ نیشنل بیک میں کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے آخر تم ہنس کیوں رہے ہو کیا یہ ممکن نہیں کہ وہاں کے نوٹ ہٹا کر ان کی جگہ پر انی نمبروں کے جعلی نوٹ رکھ دیئے گئے ہوں تم بیک ضرور جاؤ اور اپنے ساتھ ایک ایک پرست کو بھی لیتے جانا اچھا فرض کرو اگر یہ تھی ہوا تو تمہارا اس میں نقصان ہی کیا ہو گا تم تھنڈھ شے کی بناء پر سرکاری طور پر ایسا کر سکتے ہو گنگوہی کا یک بیک غائب ہو جانا مجھے اور زیادہ شے میں ڈال رہا ہے اچھا میں تھوڑی دیر بعد کوتولی پہنچ جاؤں گا۔“

فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر حمید کو سر کے اشارے سے باہر چلنے کے لئے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

چنانچہ چند ہی سینٹ کے توقف کے بعد حمید بھی باہر آگیا۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر سیدھے کوتولی پہنچ گئے۔

راستہ بھر فریدی نے سارجنٹ حمید سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گھری سوچوں میں ڈوبا ہوا ہو اور اس کا ذہن تازہ ترین اکشافات کی کڑیاں گذشتہ واقعات سے ملانے میں مصروف ہو۔

حمد نے کئی بار اسے مخاطب کیا لیکن فریدی ”ہوں ہوں“ میں ٹالا رہا۔ کوتولی کے دفتر میں پہنچ کر فریدی نے اپنے مخصوص انداز میں حمید کو مخاطب کیا۔

”کیا تم تازہ اکشاف کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ سکے ہو۔ حالات اگرچہ بظاہر بہت جچیدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک سمجھ دار چاؤں کے لئے ان حالات کی کڑیاں ملانا کوئی مشکل امر نہیں..... کیا خیال ہے تمہارا۔“ فریدی نے سگار سکایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا مطلب؟“ حمید بولا۔ ”آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے بیک اور سعید منزل کے باہمی پر اسرار تعلق کا راز سمجھ لیا ہے اور آپ مجرم کو کسی وقت بھی گرفتار کر سکتے ہیں۔“

”ہاں اور میرا خیال ہے کہ گنگوہی اور سلیم کی سازشی ایکم پر اسرار ہوتے ہوئے بھی“

اب اتنی پر اسرار نہیں رہی..... جعلی نوٹوں کے بارے میں میرا شک اب یقین کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یقیناً بیک میں سلیم کی ملازمت کی اصل وجہ جعلی نوٹ ہی ہو سکتی ہے۔"

حید فریدی کی اس بات پر چونکتے ہوئے بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے اور جیسا کہ سعید کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے سعید اس سازش میں برادر کا شریک اور مجرم ہے۔"

"تم رہے احمد کے احمد۔" فریدی نے کہا۔
لیکن حید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اگر تمہارا مطلب یہ ہو کہ سعید بھی اس سازش میں شریک تھا تو یہ ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ نوٹ کے کاغذ کا تذکرہ خصوصیت سے نہ کرتا۔"

"لیکن یہ دونوں نوٹ اسی کے گھر میں ملے تھے۔" حید نے کہا۔

"ایسی حالت میں تو اسے اور زیادہ محتاط رہنا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ان نوٹوں کا تذکرہ میں پہلے ہی کرچکا تھا۔"

"بہر حال یہ ایک اچھا خاصہ مدرس ہے۔" حید نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔" فریدی نے کہا اور سگار سا گانے لگا۔

تحوڑی دیر بعد جلد لیش اور ایک پرست بھی کو تو اپنی پہنچ گئے۔

"آپ نے جو دونسرے بولے تھے ان کا مطلب میں نہیں سمجھا۔" جلد لیش نے کہا۔

"یہ ان دونوں نوٹوں کے نمبر تھے، جو ہم نے سعید منزل میں پائے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے.....! جلد لیش چونکہ پڑا۔"

فریدی نے دونوں نوٹ ایک پرست کی طرف بڑھا دیئے۔

ایک پرست کافی دیر تک نوٹوں کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے سراخا کر جنت آمیز نظر دوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے آج تک اتنی شاندار نقل نہیں دیکھی۔" وہ بولا۔ "لیکن بنانے والا واٹر مارک میں دھوکا کھا گیا۔"

"ہوں.....!" فریدی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”لیکن اصل نقل کا سمجھ لینا کسی عام آدی کا کام نہیں۔“ ایک پرست نے کہا۔ ”واٹر مارک صاف پانی کا نہیں ہے..... اس میں قدرے میلا پن آگیا ہے..... یہ پانی..... یہ پانی۔“

”دریائے گھاگھر اکا ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے جمل پورا کر دیا۔

”ٹھیک..... بالکل ٹھیک۔“ ایک پرست نے اچھل کر کہا۔

”میں یہ دونوں نوٹ اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔“ ایک پرست نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اس کی باقاعدہ روپورٹ آپ کو دوں گا۔“

ایک پرست کے جانے کے بعد فریدی بھی اٹھ کر ڈالا۔

”آؤ حمید..... جلدی کرو..... مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ لیکن شاید کامیابی ہوئی جائے، حالانکہ اب اس کی امید بہت کم رہ گئی ہے۔“

حمدی نے استقہامی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”چلو دیر نہ کرو۔“ فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

”کیا میں بھی چلوں۔“ جگد لیش نے کہا۔

”جنہیں کوئی ایسی خاص ضرورت نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم گنگولی کو خلاش کرنے کی کوشش کرو۔“

”اس کے غائب ہو جانے سے بک میں شنی پھیل گئی ہے۔“ جگد لیش نے کہا۔

”قدرتی بات ہے۔“ فریدی بولا۔

فریدی کی کار تیز رفتاری کے ساتھ دلاور پور والی سڑک پر جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اچاک گاڑی روک دی۔ حمید اس غیر متوقع جھکے کے لئے تیار تھا۔ اس کا سر گلرا گیا۔

”کیوں جتاب..... کیا میری جان فالتو ہے۔“ حمید کار سے اتر کر جلاعے ہوئے انداز میں بولا۔

”تو بھی..... پھر میرا خاق تو کچھ اسی قسم کا ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

وہ دونوں دلاور پور میں پن چکی کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر دھکا دیا، دروازہ کھل گیا اندر کوئی نہیں تھا۔ حمید ابھی تک باہر ہی کھڑا تھا۔

فریدی کے اشارے پر وہ بھی بادول خواست اندر چلا آیا۔

”وہ جملی عائب ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہوں.....!“

”عجیب آدمی ہوتم بھی..... یہ بھی کوئی بگز نے روشنے کا وقت ہے۔“

”تو میں کیا کہہ رہا ہوں۔“ حمید نے اکتا کر کہا۔

”جملی عائب ہو گیا ہے۔ اب ہم شاید ہی اسے پاسکیں۔“ فریدی بولا۔

”کہیں چلا گیا ہو گا..... عائب کیوں ہونے لگا۔“ حمید نے کہا۔

فریدی نے دریا کی طرف والی کھڑکی کھول دی۔

”دریا بھی اس عمارت کی دیوار سے ٹکراتا ہوا بہتر رہا ہو گا۔“ فریدی بولا۔

”اور شاید یہاں سے پانی ہٹ جانے ہی کی وجہ سے جلی بند ہو گئی۔“

”بہت ممکن ہے کہ جلی رک جانے کی وجہ سے ہی پانی ہٹ گیا ہو۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”خیر شکر ہے کہ تم میں زندگی تو پیدا ہوئی۔“ فریدی نے کہا۔

”وہ اس خطپی کے صندوق کی ٹاشی لینے لگا لیکن کوئی قابل گرفت چیز نہ ملی۔

”آخر آپ یہاں آئے کیوں ہیں؟“

”جلی نوٹ بنانے کے اوزاروں کی ٹلاش میں۔“

”یہاں.....!“ حمید حیرت سے بولا۔

”ہاں..... نہایت پر سکون جگہ ہے۔ سلیم جیسا سازشی، ایک ماہر فن مصور اور اگر یور.....

سعید جیسا تربیت یافتہ کاغذ بنانے والا..... پھر اور کیا چاہئے۔“

”تو آپ نے سعید کے متعلق اپنی رائے بدل دی؟“ حمید نے کہا۔

”ایسا تو نہیں..... اس کے متعلق میں نے شروع میں جو رائے قائم کی تھی اس میں کسی تم

کی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکی۔“

”اپنی باتیں آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔“

”یہ کوئی ایسا الجھا ہوا معاملہ نہیں، فرض کرو میں کاغذ بنانا جانتا ہوں، تم مجھ سے یونہی دوستی

کر بیٹھتے ہو، تمہارے ماتھے پر تو یہ لکھا نہیں کہ تم نے مجھ سے دوستی کیوں کی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد تم باتوں ہی باتوں میں مجھ سے کاغذ بنانے کا طریقہ پوچھ لیتے ہو اور میری معلومات سے تاجراز فائدہ اٹھانے کے لئے نوٹ کا کاغذ بنانے کر باقاعدہ جعلی نوٹ چھاپنے شروع کر دیتے ہو، بھلا بھجے کیا خبر ہو سکتی ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔“

”لیکن جعلی نوٹ صرف سید ہی کے بھاں کیوں ملے۔ سلیم کے گھر کا بھی تو کونا کونا چھان ڈالا گیا ہے اور بھاں اس مصور کے سامان میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں مل سکی جو قابل گرفت ہو۔“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”اگر تھوڑی دیر کے لئے آپ کا خیال صحیح مان بھی لیا جائے تو خود سید کا بیان ہی اسے مشتبہ بنا دیتا ہے۔“

”کون سایاں.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”وہی بھوت والا..... بھلا کے یقین آئے گا۔“

”بہت ممکن ہے کہ اس نے بھچانے میں غلطی کی ہو۔ وہ کوئی اور آدمی رہا ہو۔ بہر حال مجھے اس پر یقین ہے کہ وہ کسی گھری سازش کا شکار ہو گیا ہے۔“

”اگر آپ اس بنا پر اس کی مخصوصیت پر ایمان لائے ہیں کہ اس نے سلیم سے اپنے تعلقات کا اعتراف کر لیا تو آپ غلطی کر رہے ہیں۔ یہ بھی اس کی ایک چال ہے میں یہ نہیں کہتا کہ سلیم بے گناہ تھا۔ میں یہ بھی سلیم کرتا ہوں کہ وہ جعلی نوٹ بناتا تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ سید سلیم کا بھی قاتل ہے۔“

”بھلا وہ کیسے.....؟“ فریدی نے سکرا کر پوچھا۔

”حدس بات میں جھلا ہو گیا ہو گا۔“

”تو اسے بیک کی چھت پر قتل کرنے کا کیا مقصد تھا اور پھر اس نے ایک اور دوسرے آدمی کو اپنے گھر میں قتل کر کے یہ آفت کیوں مول لی۔“

”اوہ نہ ہو گا..... ماریے گولی..... آپ نے خواہ خواہ یہ بلا اپنے گلے لگالی۔“ حمید اکتا

کربولا۔

"میں.....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "حید صاحب بہت دنوں کے بعد اس قسم کی دلچسپ بلانصیب ہوئی ہے۔"

حید ایک اشتوں پر خاموشی سے بینگھ گیا۔ اس کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔ فریدی پھر کمزیر کے قریب آگیا۔ اس کی نگاہیں کچھ دور پر بیٹھے ہوئے دریا کی لمبڑیوں پر جی ہوئی تھیں۔ دفعتاً دھونک پڑا۔

"حید ذرا یہاں تو آتا۔"

"کہنے.....!" حید بے دلی سے انٹھ کر کمزیر کے پاس چلا گیا۔

"اُدھر آؤ..... یہ بیخے دیکھو، کیا تم نے اس قسم کی جھاڑیاں اس علاقے میں کہیں اور بھی دیکھی ہیں؟" فریدی نے دیوار کی جز میں اُگی ہوئی گھنی جھاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ یہ جھاڑیاں اتنی اوپری تھیں کہ انہوں نے تقریباً آدمی دیوار کو ڈھک رکھا تھا۔

"اس علاقے کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔" حید نے کہا۔

"لیکن میں یہاں کے چیزیں سے اچھی طرح واقع ہوں۔" فریدی بولا۔ "میں نے یہاں اس قسم کی جھاڑیاں کہیں اور نہیں دیکھیں۔"

"نہ دیکھی ہوں گی۔" حید لاپرواٹی سے بولا۔ آخر آپ انہیں اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ یہ دیدہ و دانستہ لگائی گئی ہیں۔"

"لگائی گئی ہوں گی۔ پھر آخر آپ کہنا کیا چاہئے ہیں۔"

"یہاں ان کے لگانے کا مقصد.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"دیوار کو پانی کے نکراؤ سے محفوظ رکھنے کے لئے۔"

"بہت خوب..... اس وقت تم نے کافی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔" فریدی نفس کر بولا۔

"لیکن پھر پنچھی کی چخنی کہاں لگائی گئی ہوگی۔"

"لگائی گئی ہوگی کہیں۔" حید اکتا کر بولا۔ آخر آپ اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔"

"آؤ میرے ساتھ..... ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور حید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر

لے آیا۔

دونوں گھوم کر عمارت کی پشت پر پہنچے۔

”اوہ بھی نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”بلکہ یہاں پول کی کانے دار ٹھنڈیاں بھی رکھی ہوئی ہیں اور کچھ ہٹائی بھی گئی ہیں۔ ذرا آہستہ آہستہ انہیں جهاڑیوں سے الگ تو کرو۔“

دونوں پول کی ٹھنڈیوں کو کچھ کر جهاڑیوں سے الگ کرنے لگے۔

حید ضرورت سے زیادہ بیزار نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی مجبود الحواس کے پکڑ میں پھنس کر ڈر رہا ہو۔

دونوں جهاڑیاں ہٹا رہے تھے کہ دھڑا حید ”ارے“ کہہ کر اچھل پڑا۔ دیوار کی جزیں جهاڑیوں کی باڑھ کے بیچے ایک چھوٹی سی کھڑکی نظر آئی۔ اسکی کھڑکی جس سے آدمی بیٹھ کر پہ آسانی گزر سکتا ہے۔ فریدی نے کواڑوں کو دھکا دیا۔ دونوں پٹ کمل گئے۔ اندر سے سیلن اور چنگاڑوں کی بیٹ کی بدبو آرہی تھی۔ فریدی نے جیب سے نارچ نکال کر اندر میرے میں روشنی ڈالی اور دوسرے لمحے میں وہ اس تپہ خانے کے اندر تھا۔ حید نے بھی آٹا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

کچھ دری بعد وہ پھر کھڑکی میں آیا۔

”اب آ جاؤ.....!“ اس نے کہا۔

حید کھڑکی سے گزر کر اسکی جگہ آیا جہاں زینے تھے اور کافی گہرائی تک ان کا سلسہ چلا گیا تھا۔

”اب یہاں کچھ نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ سب کچھ لے گئے۔“

”یعنی.....؟“

”کسی قسم کی مشین۔“

”مشین..... وہ کیسے معلوم ہوا۔“

”ان گڑھوں کی طرف دیکھو۔“ فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”یہاں کسی مشین کے چار پائے نصب تھے۔“

”کسی اور چیز کے بھی چار پائے ہو سکتے ہیں۔ مشین ہی کیوں۔“

"ایسا سچنے پر مجبور ہو جانا پڑا ہے۔" فریدی نے جھک کر زمین پر روشی ڈالتے ہوئے کہا۔
"یہ دیکھو تیل کے دھبے..... گاڑھے اور سیاہ تیل کے دھبے۔ غالباً یہ تیل مشین میں استعمال کیا
جاتا رہا ہو گا۔"

"اوہ.....!" حمید بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب کہ یہاں ان لوگوں کا نوٹ چھانپنے کا پریس تھا۔"
"تم صحیح سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ ٹیکس..... وہ ہم سے زیادہ ہو شیار ثابت ہوئے۔
عجائب خانے میں مجھے قتل کر دینے میں ناکام رہنے کے بعد غالباً انہوں نے سب سے پہلے یہی
کام کیا ہے کہ مشین یہاں سے ہٹا دی۔"
وہ دونوں باہر آگئے۔

"پلو بک کا معاملہ تو صاف ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔
"کیا.....؟"

"سلیم وہاں طازم تھا اور اس نے اپنی اصلی حیثیت ظاہر کر دی تھی اس نے سب کو اس پر
اعتماد تھا اس نے اس اعتماد سے فائدہ اٹھا کر وہاں کے فنوں کے نمبر حاصل کئے اور انہی نمبروں
کے جعلی نوٹ بنائے۔ اس کا شہود ان دونوں فنوں سے ملتا ہے جو مجھے سعید منزل میں ملے
تھے۔ پھر غالباً اس نے یہ پروگرام بتایا کہ بک کے اصلی نوٹ نکال کر ان کی جگہ نعلیٰ نوٹ رکھ
دیئے تھے، لکھی شاندار سازش تھی..... ذرا سوچ تو کہ ایک بک کے ذریعہ جعلی نوٹ تقسیم ہوتے،
بہر حال کوئی حادثہ پیش آجائے کی وجہ سے سلیم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔"

"مگر..... مگر بک میں گز بڑی کی اطلاع تو آپ کو سلیم ہی نے دی تھی۔"

"مجھے اس میں شہر ہے کہ تکہ چھت پر میں نے جو خون کے دھبے دیکھے تھے وہ ایک یا ڈیڑھ
گھنٹہ قبل کے معلوم ہوتے تھے اور سلیم کا پیغام وہاں پہنچنے سے میں منت پہلے مجھے موصول ہوا تھا۔"
"بہر حال بہت زیادہ لمحے ہوئے حالات ہیں۔" حمید بولا۔ "بک کا معاملہ صاف
ہو جانے پر بھی سلیم اور صدر مرزا کے قتل باقی رہ جاتے ہیں۔ سعید کو آپ بے گناہوں میں شمار
کرتے ہیں حالانکہ یہ ممکن ہے کہ سعید نے دیدہ و دانتہ ایسے حالات پیدا کئے ہوں جن سے اس
کی بے گناہی ثابت ہو۔"

”لیکن یہ بھی تو سوچو.....“ فریدی نے کہا۔ ”جو شخص اتنا ذہین ہو سکتا ہے کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اتنا اچھا پلاٹ بنائے کہ وہ اتنا یقوق بھی نہیں ہو سکتا کہ صدر مرزا کی لاش کو قریب کے دریا میں پھینک دینے کی بجائے اتنی دردسری مول لے۔ اگر وہ اسے دریا میں پھینک دیتا تو کسی کو کانوں کا خبر بھی نہ ہوتی۔“

”اپنا تو دماغ خراب ہو جاتا ہے اس معاملے میں غور کرتے وقت۔“ حید نے کہا۔

”آئیے..... چلیں..... میں تو آج رات کو تھوڑی سی تفریح کرنا چاہتا ہوں۔“

”ضرور..... ضرور..... میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔“ فریدی نے کہا۔

فریدی اور حید کو تو ای لوٹ آئے۔ اس اکشاف سے سنبھل گئی اور جلد لش کو بھی یقین کامل ہو گیا تھا کہ اس سازش میں سعید کا ہاتھ ضرور ہے اس کے گھر میں جعلی نونوں کا پایا جانا اس کے حق میں خطرناک ثابت ہوا تھا۔ بہر حال ان سب میں ایک آدمی ضرور ایسا تھا جسے اب تک اس کی بے گناہی کا یقین تھا۔ یہ فریدی تھا اس نے شروع میں جو نظریہ قائم کیا تھا اسی پر آج بھی اڑا ہوا تھا۔ اس وقت حید اور جلد لش ایک طرف ہو کر اس سے سعید کے خلاف بحث کر رہے تھے۔ دھنعتیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جلد لش نے رسیور انھالیا۔ پھر فریدی کی طرف بڑھ کر بولا۔ ”آپ کے گھر سے کوئی بول رہا ہے۔“

”بیلو..... ہاں..... اچھا..... تار آیا ہے..... اچھا احتیاط سے رکھو۔ میں بھی آیا۔“

فریدی نے رسیور کو اپنی فلکت ہیٹ انھائی۔

”بھی میں چلا۔ حید تم مجھے سات بجے آرچو میں ملتا۔ رات کا کھانا وہیں کھائیں گے۔“

فریدی نے کہا اور کوتوالی سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر پر ایک لمبا چڑا تار اس کا خلل تھا۔ فریدی نے تار لے کر پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھنے میں اس قدر منہک تھا جیسے اس نے تار کے علاوہ اپنے گرد و پیش کی ہر چیز کو بھلا دیا ہو۔ کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھتے وقت اس نے ایک لمبا سانس لیا اور انھر کر شلنے لگا۔ اس کے ماتحت کی رگیں ابھری ہوئی تھیں، غالباً کوئی خاص الجھن تھی۔ وہ نہ لٹا رہا۔ انگلیوں میں دبایا ہوا سگار نہ جانتے کب کا بجھ پکا تھا جسے وہ بار بار بے خیال میں ہوتوں سے ہٹا لیتا تھا۔ آہستہ آہستہ تار کی پھیلتی

جاری تھی۔ وہ ابھی تک بدستور شہل رہا تھا۔ کاک نے پچھے بجائے اور وہ چونکہ پڑا۔ کمرہ بالکل تاریک ہو چکا تھا۔ اس نے سورج بورڈ کے قریب جا کر بیکلی جلا دی۔

میرز کی دراز سے دو پستول نکال کر فریدی نے جیب میں رکھے۔ چڑکاندھ سے پڑا لاٹھ بیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

بھوت اور فریدی

فریدی کی کار تیزی سے شہر کے غیر آباد حصے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خاموشی سے آتا کر حمید نے پوچھا۔

”کچھ بتائیے گا بھی یا یوئی کہیں لے جا کر جھوٹک دینے کا ارادہ ہے۔“

”آج ایک بھوت کو دیجھتوں سے نپنا پڑے گا۔“

آہستہ آہستہ فریدی کار کی رفتار کم کرتا جا رہا تھا۔ شہر کا یہ حصہ قریب بالکل دیران اور تاریک تھا۔ کار سڑک سے ہٹ کر کچھی زمین کے نشیب و فراز میں بچکو لے لیتی چلی جا رہی تھی۔

کچھ دور پر سامنے ایک بڑی سی عمارت دکھائی دی، جس کی چار دیواری کافی رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی نے کار کھڑی کر دی اور حمید کو اترنے کا اشارہ کر کے خود بھی نیچے اتر گیا۔ دونوں نے آدم چہار دیواری کے نیچے آہستہ آہستہ ملنے لگے۔ چہار دیواری کے موڑ پر سلاخ دار چاٹک تھا جس میں ایک بڑا ساتا لالک رہا تھا۔ فریدی نے تالے کوٹھوا اور چند لمحوں تک کھڑا سوچتا رہا۔ پھر زمین پر بیٹھ کر ایک فٹ اٹھے ہوئے چاٹک کے درمیانی خلاء کا اندازہ کرنے کے بعد سینے کے مل ریختا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

حمد نے بھی اس کی تھیکی۔

اندر چاروں طرف موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ستاروں کی دھنڈی سی روشنی میں کاشانہ شمشیر کی طویل و عریض عمارت کچھ بیجی سی لگ رہی تھی۔ حمید کے جسم پر کچھا بہت طاری ہو گئی۔

”کیا بات ہے؟“ فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

”س..... س..... سر دی!“

”خہبر و ادھر سے آؤ۔“ وہ مہندی کی باڑھ جو صدر دروازے کے قریب جا کر تھم ہو گئی تھی دونوں لاس کی اوٹ میں آہستہ آہستہ ریکھتے ہوئے آگے بڑھے۔

دوسرا لمحے میں فریدی کی ٹارچ کی روشنی صدر دروازے کے اندر پڑ رہی تھی۔ فریدی کو صدر دروازے کے غیر مغلل ہونے پر قطعی حیرت نہ ہوئی۔ البتہ حمید ضرور چوکنا ہو گیا۔ اس نے اپنے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے کو بہت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ دونوں دیوار کا سہارا لئے اندر ہے میں بڑھ رہے تھے۔ مختلف کروں اور برآمدوں کا چکر لگاتے ہوئے وہ ایک زینے کے قریب پہنچے۔ دھنٹا اوپر کے کروں میں سے ایک میں روشنی دکھائی دی اور پھر فوراً ہی اندر ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کی نے اندر ہے میں سگریٹ سلاک کر دیا۔ سلامی بجا دی ہو۔

”ہوشیار!“ فریدی نے حمید کے کان میں کہا اور دونوں کے پستول ان کی جیبوں سے نکل آئے۔

اچانک زینے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ فریدی اور حمید ایک طرف کونے میں دبک گئے۔ کوئی ہلکے سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ دھنٹا فریدی نے اپنے پستول کا دستہ دیوار پر مارا۔ کھلاکے کی آواز خالی عمارت میں گونج آئی اور اتنے والا یک بیک رک گیا۔ سیٹی کی آواز بند ہو گئی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رک کر اس آواز کے متعلق سوچ رہا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد زینے پر پھر قدموں کی آواز معلوم ہوئی۔ فریدی نے چند لمحے خہبر کر دیا اور دیوار پر مارا۔ اتنے والا پھر رک گیا۔ ایک طویل خاموشی۔۔۔۔۔ فریدی حمید کے دل کی دھڑکن صاف کن رہا تھا۔

دو تین زینے طے کرنے کے بعد ایک تاریک سایہ نیچے آگیا۔ چند لمحے کھڑا وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا، لیکن جیسے ہی اس نے آگے بڑھنا چاہا فریدی نے پھر وہی حرکت کی۔ آنے والے نے اپنی انگلیوں میں دبے ہوئے سگریٹ کو فرش پر گرا کر پورے مسل دیا۔

”صدر مرزا!“ دھنٹا فریدی نے تیز تھم کی سرگوشی کی۔

تاریک سایہ اچھل پڑا۔

”صفر مرزا.....!“ فریدی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

سائے نے مڑکر آہستہ آہستہ ان دونوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

”تم کون ہو بھائی.....!“ سایہ نرم لبجے میں آہستہ سے بولا۔

”میں کوئی بھی ہوں لیکن تمہارا بھائی انور مرزا تم سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہے۔“

فریدی نے اسی انداز میں جواب دیا اور اس کی سرگوشی اندر میرے میں دور تک گونجتی چلی گئی۔

سرگوشی کچھ اتنی بھیاںک تھی کہ خود حمید کے رو تکشے کھڑے ہو گئے۔ اسے بالکل ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی روح بول رہی ہو۔

سایہ ایک بار پھر اچھل پڑا۔

”تم کون ہو بھائی۔“ سائے نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔ اس کی آواز میں بیچارگی تھی۔

”کنور شمشیر بہادر.....!“ فریدی نے بے ساخت کہا۔

دھنٹا سایہ لا کھڑا کر برآمدے کے ستون سے مٹک گیا۔

”کیوں کیا ڈر گئے۔“ فریدی بولا۔

”تو تم زندہ ہو۔“ وہ ایسے لبجے میں بولا جیسے خواب میں بول رہا ہو۔

فریدی نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ کتنا بھیاںک تھا وہ قہقہہ۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے درود دیوار اس قہقہے کو دہرا رہے ہوں۔ فریدی خاموش ہو گیا۔ شاید وہ اس پر اپنے قہقہے کا رد عمل محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”نبیں تم جھوٹ کہتے ہو۔“ سایہ بولا۔ ”میرا نشانہ کبھی خطا.....!“

”نبیں کرتا.....!“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

دھنٹا سایہ ادھر ادھر جھومنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو کر گرنے والا ہے۔

اور پھر وہ صحن کی طرف لا چک گیا۔

فریدی اور حمید جھپٹئے۔

لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اس کے منہ سے حیرت کی چیز نکل گئی۔ جس جگہ سایہ گرا تھا.....

وہاں سنائیا چھایا ہوا تھا۔

"اے..... یہ کہر غائب ہو گیا۔" فریدی گھبرائے ہوئے لجھے میں بولا۔

"اندر میں آخر وہ کہیں گولی نہ چلا دے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے تارچ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "صفدر مرزا..... صاف نکل گیا۔"

"صفدر..... صدر مرزا..... مگر وہ تو.....!"

"مرانہیں.....!" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"مجھے شہر ہے کہ سعید کی یہوی سینیں اسی عمارت میں کہیں قید ہے۔"

"مگر صدر مرزا.....!"

"چھوڑو بھی..... پھر کبھی اطمینان سے بتاؤں گا۔ باتوں میں وقت خراب کرنے کا موقع نہیں۔ نیچے کے سارے حصے تو ہم پہلے ہی دیکھے چکے ہیں۔ اب اوپر چلتا چاہئے۔" فریدی نے اسی زینے پر چڑھتے ہوئے کہا جس پر سے صدر مرزا اتر اتھا۔ "یہاں اس سنان عمارت میں اس کی موجودگی خالی از علت نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ سعید کی یہوی بھی سینیں کہیں بند ہو۔"

حمد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے زینے طے کر رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کے بازو کو بری طرح جکڑ لیا۔

"کیا ہے.....؟" فریدی نے پلٹ کر کہا۔

"آہٹ..... اوپر کوئی ہے۔"

"میں سن رہا ہوں۔"

"تو پھر اس طرح..... کیا اندر ہیرے میں جان دیجئے گا..... یہ ضروری نہیں کہ وہ اس عمارت میں تباہی رہا ہو۔" حمید نے کہا۔

"چھوڑو بھی..... محض تمہاری احتیاط کے چکر میں میں نے صدر مرزا کو ہاتھ سے کھو دیا۔"

"خیر چلئے..... اگر آپ کے ساتھ ہی مرنا قسم میں لکھا ہے تو پورا ہو کر رہے گا۔"

اوپر ایک ہی قطار میں متعدد کرے تھے۔ فریدی نے ہر کمرے کے سامنے رک رک کر آہٹ لئی شروع کی۔ ایک کمرے سے دبی دبی سکیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ کمرہ باہر سے مقفل تھا۔ فریدی نے جیب سے روپالور نکالا اور اس کی ہال کو ٹالے کے کنڈے میں پھسا کر

اپنھنا شروع کر دیا تھا۔ حمودی سی جدو جہد کے بعد تالاکھل گیا۔

"تم زینے کے دروازے کے پاس جاؤ۔" فریدی نے آہتہ سے حمید سے کہا۔

"اگر کوئی اوپر آنے کی کوشش کرے تو بے دریخ فائز کر دینا۔"

حمید چلا گیا۔ فریدی نے آہتہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔

سامنے پنگ پر ایک عورت لیٹی سراٹھائے خوفزدہ نظر وہ سے ٹارچ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"مگر اونٹیں..... اب تم محفوظ ہو۔" فریدی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

عورت مگر ایسے ہوئے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا تم سعید کی بیوی ہو.....؟"

"آختم لوگ مجھے بے گناہ کو کیوں سانگ کر رہے ہو.....؟" عورت بولی۔

"آپ غلط سمجھیں محترم۔" فریدی نے کہا۔ "میرا تعلق مکمل پولیس سے ہے۔"

"اوہ.....!" عورت کے منہ سے خوشی کی چیخ نکلی اور وہ بے تعاشر کھڑی ہو گئی۔

"آپ سعید کی بیوی ہیں تا۔"

"جی ہاں۔"

"آئیے..... میرے ساتھ۔"

فریدی اسے ساتھ لے کر زینے کے دروازے کے پاس آیا جہاں حمید کھڑا تھا۔ پھر وہ تینوں سرگن کے ذریعہ عمارت سے باہر نکل آئے۔

فریدی سعید کی بیوی کو اپنے گھر لے آیا۔ وہ ان دونوں کے ساتھ چلی تو آئی تھی لیکن اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان دونوں کی طرف سے مخلوق ہے۔

"آپ اس عمارت میں کب سے تھیں؟" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"کل سے.....!"

"کل سے.....؟" فریدی نے حرمت کا انکھار کرتے ہوئے اس سے کہا۔ "مگر آپ تو کتنی

دن سے غائب تھیں۔"

"پہلے دوسرے مکان میں تھی۔"

”کیا آپ اس کا کچھ پتہ نہان دے سکتی ہیں؟“

”بجھے افسوس ہے کہ میں بے ہوشی کی حالت میں وہاں لے جائی گئی تھی۔“

”بے ہوشی کی حالت میں؟“

”بھی ہاں.....!“ اس نے کہا اور فریدی کے استفسار پر اس نے اپنے بے ہوش ہونے تک

کے واقعات بتا دیئے۔

”اور پھر میں نے اس شخص کو زندہ دیکھا جس کی لاش میں اپنے گھر میں دیکھ چکی تھی۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے حمید کی طرف مرتے ہوئے کہا۔ ”اس بھاری مجرم اجنبی کی شخصیت ابھی تک معربی ہوئی ہے۔ آخر وہ کون تھا اور اس کا مقصد کیا تھا۔“

”اور یہ کیا معرب نہیں کہ جس شخص کی لاش ہم لوگوں نے دیکھی اسے یہ لوگ زندہ بتاتے ہیں۔“ حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”صرف یہی لوگ زندہ نہیں بتاتے بلکہ ہم لوگ بھی ابھی اس سے دھوکا کھا چکے ہیں۔“

فریدی نے کہا۔

”یعنی.....؟“

”صفدر مرزا.....!“

”کمال کر رہے ہیں آپ بھی۔“ حمید نے اکتا کر کہا۔ ”پھر وہ مرنے والا کون تھا.....؟“

”اس کا بھائی۔“

”بھائی.....؟“ حمید تقریباً چھل کر بولا۔

”ہاں اس کا بڑواں بھائی انور مرزا۔“

”یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا.....؟“

”میں نے رنگوں میں اگواڑی کرائی تھی۔ آج وہاں کے محلہ جاسوی کے چیف کا مفصل تار آیا ہے، انور مرزا اور صدر مرزا بڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں اس درجہ مشابہت پائی جاتی تھی کہ ان کے ملنے بننے والے بھی اکثر گڑ بڑا جاتے تھے۔ دونوں میں صرف ایک معمولی سافر ق تھا۔ انور مرزا کے با میں تختے کے نیچے ایک ابمرا ہوا سیاہ گل تھا۔ ہاں تو وہاں کی اگواڑی کے مطابق

دلوں چھٹے ہوئے بدمحاش تھے۔ صدر مرزا تو کئی بار بیل بھی جاپکا ہے۔ صدر مرزا پہلے ہندوستان چلا آیا تھا اور انور مرزا بعد کو آیا۔“

”لیکن اسے قتل کس نے کر دیا.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”بھی تو اس میں صدر مرزا ہی کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔“

”وہ کیسے.....؟“

”لاش ملنے کے بعد صدر مرزا کے قتل کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی اور اس کی تصویر بھی چھپی تھی۔ اگر صدر مرزا کا ہاتھ اس قتل میں نہیں تھا تو اس نے پولیس کو مطلع کیوں نہیں کیا کہ وہ زندہ ہے اور مقتول اس کا بھائی تھا۔ اس کے بجائے اس نے سعید کو پھسانے کی کوشش کی۔ اسے اس بات کا یقین دلا کر کہ وہ بھوت تھا۔ وہاں سے نکل جانے کا موقع جان بوجھ کر دیا تاکہ وہ وہاں سے نکل کر اس کی رپورٹ پولیس کو دے اور دھر لیا جائے۔ بھلا پولیس ان لفויות پر کیوں یقین کرنے لگی۔ سعید کی بیوی کو اس نے اپنے بقدر ہی میں رکھا تاکہ پولیس سعید کو قطعی مجرم سمجھ لے اور اس پر یقین کر لے کہ خود اس نے اپنی بیوی کو کہیں چھپا دیا ہے اور اب اپنے چھکارے کے لئے ایک داستان تصنیف کرایا ہے۔“

”تو کیا وہ قید کر لئے گئے؟“ سعید کی بیوی گھبرا کر بولی۔

”بھی ہاں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن گھرانے کی بات نہیں۔ وہ بہت جلد چھوٹ جائیں گے۔ ان کے خلاف سازش کرنے والوں کا پتہ میں نے لگایا ہے۔“

”تجھے ان سے ملا دیجئے۔“ وہ مانجیانہ انداز میں بولی۔

”میں فی الحال اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ ایسی صورت میں آپ بھی قید کر لی جائیں گی اور مجرم بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔“

”پھر میں کیا کروں؟“ وہ بے بسی سے بولی۔

”جب تک کہ اصلی مجرم اگر فرار نہ ہو جائے..... غریب خانے ہی کو گھر سمجھئے۔ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اگر آپ نے اس گھر سے باہر قدم نکالا تو پھر میں سعید اور آپ کے لئے کچھ نہ کر سکوں گا۔ اچھا اب چل کر آرام سمجھئے۔ چلنے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھادوں۔“

فریدی اسے ایک کمرے میں پہنچا کر لوٹ آیا۔ حمید خاموش بیٹھا خیالات میں کھویا ہوا تھا۔
”آخر آپ نے یہ کیوں کہا کہ اس کے ظاہر ہوتے ہی مجرم فرار ہو جائے گا۔ کیا اس کے فرار ہونے کے لئے آج کا حادثہ کم ہے؟“ حمید نے کہا۔

”بھی تو تم نہیں سمجھے۔ آج کی بھاگ دوڑ میں ایک نئی بات اور معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ صدر مرزا شمشیر بہادر کا بھی قائل ہے۔ کیا تم نے میری اور اس کی گفتگو دھیان سے نہیں سنتی تھی۔ میں اس معاطلے میں بھی شروع ہی سے مخلوک تھا اور شاید میں نے اپنے شبے کا اظہار بھی کیا تھا کہ رنگوں ہی میں شمشیر بہادر کا انتقال ہوا اور وہیں سے صدر مرزا بھی ہندوستان آیا۔ لیکن یہ محض شبہ ہی تھا۔ میں نے وہاں اسے شمشیر بہادر کا حوالہ اس خیال سے قطعی نہیں دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب اس نے خود کو بھوت بنا کر پیش کیا تھا تو کیوں نہ میں بھی شمشیر بہادر کا بھوت بن کر اسے بیجان میں جلا کر دوں۔ لیکن وہاں تو معاملہ ہی پکھا اور تھا..... بہر حال وہ میرے فقرے کو حقیقت سمجھا تھا۔ وہ کل سبک و اقعات کی نئی کروٹ کا انتظار ضرور کرے گا۔ اگر سعید کی یہوی حاضر نہ ہوئی تو وہ سنی نتیجہ نکالے گا کہ وہ ابھی تک شمشیر بہادر ہی کے قبضہ میں ہے۔ شمشیر بہادر جو اس سے انتقام لینے کی تاک میں ہے وہ اس لئے شہر نہیں چھوڑے گا کہ وہ کسی طرح موقع پا کر شمشیر بہادر کو خلا نے لگادے گا اور اگر سعید کی یہوی حاضر نہ ہوئی تو وہ اسے پولیس والوں کی چال بکھر کر فرار ہو جائے گا کیونکہ اسکی صورت میں سعید کی یہوی کے ساتھ ہی ساتھ شمشیر بہادر کا ہونا بھی ضروری ہے اور شمشیر بہادر مرپکا ہے کیا سمجھے؟“

”بالکل سمجھ گیا.....!“ حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”آپ کا داماغ ہے یا.....!“ ”بھیمار خان.....!“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

”خیر یہ آپ کی نیک نفسی ہے..... کہ آپ اپنے متعلق غلط نہیں میں جاتا ہیں۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔

”اوہ نہ.....!“ چھر تم نے اپنے سے تم کے مذاق کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ ”فریدی نے منہ بنا کر کہا۔ ”ایک چیز سمجھے اب بھی انھیں میں ڈالے ہوئے ہے کہ آخر وہ بھاری مجرم اپنی کون تھا۔ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی صدر مرزا ہی کا شکار تھا اور صدر مرزا اس کا چھپا کیوں

کر رہا تھا۔ وہ دلوں جعلی نوٹ اسی بندل کے تو تھے جو اس نے سعید کو دیا تھا۔ کیا سلیم اور انور مرزا کی موت کا کچھ تعلق اس کی ذات سے بھی ہے۔ خیر انور مرزا کا معاملہ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اجنبی کا چیخنا کرنے والوں میں وہ بھی رہا ہو اور اجنبی ہی کے دھوکے میں صدر مرزا کے ہاتھ سے مارا گیا ہو۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ حمید نے کہا۔

”فرض کرو اجنبی آگے بھاگ رہا ہے اس کے پیچھے انور مرزا ہے اور اس کے پیچھے صدر مرزا..... اچانک صدر چاقو نکال کر اجنبی کو کھینچ مارتا ہے اور انور مرزا اسی دوران میں بحالت بے خبری درمیان میں آ جاتا ہے، چاقو اجنبی کے لگنے کے بجائے اسے الگ جاتا ہے۔“

”اس طرح تمکن ہے۔“ حمید نے کہا۔

”صدر مرزا چاقو پھینکنے میں بہت مشاق معلوم ہوتا ہے کیونکہ عابِ گھر میں اسی نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ چاقوؤں کی ایک جیسی ساخت اس کا بہترین شوت ہے۔“

”لیکن پھر سلیم کا معاملہ بالکل الگ جا پڑتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”بھی تو ایک اسکی گرفتاری ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بس سلیم کی موت اور اس اجنبی کی شخصیت کا حال ظاہر ہو جائے تو کیس صاف ہے۔“

”تو پھر اس کے لئے آپ کون ساطریقت کار اختیار کریں گے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ابھی اس پر بہت کچھ سوچتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن محض ہمہ کی بنا پر میں نے فی الحال جو طریقت کار اختیار کیا ہے ابھی اس پر کار بندر بننے کا ارادہ ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”سلیم کے گھر کی بھرائی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اسکی بہن کی شخصیت بھی کچھ کم پر اسرار نہیں۔“

”امید ہے کہ اب میری ضرورت آپ کو پیش نہ آئے گی۔“

”بھی نہیں..... ایسے کاموں کے لئے دوسرا قسم کے مہرے رکھتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”اچھا اب آپ آرام فرمائیے..... بندہ رخصت ہوتا ہے۔“

مردہ محل میں

سلیم کی بہن بے چنی سے ادھر ادھر بیل رہی تھی۔ اس نے اس وقت سفید سلک کا غرارہ اور سفید جیپر پہن رکھا تھا۔ سیاہ دوپٹے میں سفید کپڑوں کے ساتھ اس کی رخصت ہوتی ہوئی جوانی نے گویا سنبھالا لے لیا تھا۔ بھرے ہوئے سلوٹے رخساروں پر دوبل کھانی شخصی تھی تیس اس کے چہرے کی سبجدی میں بلکل سی شوخی کا اضافہ کر رہی تھیں اور سبجدی و شوخی کے اس حین انتزان نے اس کی شخصیت کو کافی حد تک پرکشش بنادیا تھا۔

دھنٹا ایک کرے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا بیوتے چہرے اور طوٹے جیسی تاک والا۔ یہ صدر مرزا تھا۔ وہ آتے ہی ایک کری پر بیٹھ گیا۔ سلیم کی بہن نے مڑ کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ صدر مرزا نبڑی طرح ہاتپ رہا تھا۔ سلیم کی بہن سے نظر ملتے ہی وہ بے اختیار مکرا پڑا لیکن اس نے دوسرا طرف منہ پھیر لیا۔

”سلیم..... آخر تم مجھ سے اس قدر بیزار کیوں رہتی ہو۔“

”کیا فضول اور لغو گنگوچی پڑ دی۔“ اس نے بیزاری سے کہا۔

”آخراتی پریشان کیوں نظر آ رہی ہو۔“

”اور تم اس نبڑی طرح ہاتپ کیوں رہتی ہو۔“ وہ طڑ آمیز مکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”ایک نبی مصیبت میں پھنس گیا۔“

”وہ کیا.....؟“ عورت چوک کر بولی۔

”میرا بچا زاد بھائی شمشیر بھا در زندہ ہے۔ معلوم نہیں کس طرح فتح گیا۔ کاشانہ شمشیر میں ابھی اس سے نہ بھیز ہو گئی۔ میرے جیب میں پستول بھی نہیں تھا۔ مجبوراً بھاگنا پڑا۔ وہ سعید کی یہوی کو بھی نکال لے گیا ہو گا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں اگر وہ اسے لے کر کوتوالی پہنچ گیا تو مجبوراً مجھے بھاگنا ہی پڑے گا۔ اگر بجک والے معاملے کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا تو کر دن ہی

نپ جائے گی۔“

”تو تمہیں روکا کس نے ہے۔“ سلیمہ بے رخی سے بولی۔

”بڑی بے مردت ہوت۔“

”بات یہ ہے کہ مجھے قاتلوں سے نفرت ہے۔“

”آخر ہوئی اورت۔“

”تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں نے بھائی صاحب سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ تمہیں اس کام میں شریک نہ کریں۔“

”تو میری وجہ سے کیا نقصان ہوا۔“

”نقصان.....!“ سلیمہ گرج کر بولی۔ ”انہیں کس نے قتل کیا؟؟“

”تو کیا..... تو کیا.....!“ صدر مرزا رک رک کر بولا۔ ”تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔“

”اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔“

”غلط فہمی میں پڑ کر آپس کے تعلقات مت خراب کرو۔ اس وقت ہم سب مصیبت میں جلا ہیں۔“

”تم جلا ہو گے مصیبت میں۔“ سلیمہ تیز لہجہ میں بولی۔ ”میں ہر طرح مطمئن ہوں۔“

”اگر میں وہ مشین والا در پور سے نہ لاتا تو دیکھتا تمہارا اٹمیناں۔“

”مشین..... کیا تم وہ مشین دہاں سے لے آئے۔“

”ہاں.....؟“

”اس لئے کہ جاسوس فریدی نوٹوں کے معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا ہے۔“

”وہ کیسے.....؟“

”وہ عجائب گھر گیا تھا۔ دہاں سے اس نے سلیم کے متعلق معلومات بھی پہنچائیں۔ وہیں اسے سعید اور سلیم کی جان پہچان کا بھی علم ہوا۔ میں اسے ختم کرنی دیتا مگر وہ بیخ گیا۔ زندگی میں پہلی بار میرے چاقو کا دار خالی گیا ہے۔“

”بڑا ذریعہ دست کار نامہ سرانجام دیا تم نے۔“ سلیمہ زہر خد کے ساتھ بولی۔ ”اس طرح تم

اسے خواہ تکواہ چھیڑ کر واقعی ہم لوگوں کے لئے مصیبت کا باعث بنے گے اور میں کہتی ہوں کہ اس مشین کو دہاں سے لانے کی کیا ضرورت تھی اس کے فرشتے بھی دہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔“

”میں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا۔“

”تمہیں مجھ سے پوچھنا چاہئے تھا۔“

”میں نے ضروری نہیں سمجھا..... میں عورتوں کے حکم کا منتظر رہنے کا عادی نہیں۔“

”اچھا یہ بات ہے..... یہ نہ سمجھتا کہ سیم مر گیا۔“ سلیمانہ کڑے لے جو بھی میں بولی۔

”تم تو خواہ تکواہ ناراض ہو رہی ہو۔“ صدر مرزا نرم لمحے میں بولا۔ ”اچھا بھی..... مجھ سے غلطی ہوئی معافی چاہتا ہوں۔“

سلیمانہ بے چینی سے ادھر ادھر شلنے لگی۔ شاید وہ اپنے غصہ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

تحوڑی دیر بعد وہ زم لمحے میں بولی۔ ”اب شمشیر بہادر کے معاملے میں کیا ہو گا۔“

”میں تو سوچ رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ وہ خود کو ظاہر کرے گا کیونکہ شاید وہ شروع ہی سے میرے پیچے لگا ہو گا اگر اسے کوئی قانونی کارروائی کرنی ہوتی تو کبھی کا کرچکا ہوتا۔ مجھے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بک کی گز بڑی میں اسی کا ہاتھ ہے۔“

”تب تو یہ بات بڑی بُری ہے۔“

”گھبراو نہیں..... اگر اس نے کل تک سعید کی بیوی کو حاضر نہ کیا تو اس کا بھی صفائی ہو جائے گا ورنہ پھر مجھے ہی بھاگنا پڑے گا۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔ مجھے سب سے زیادہ فکر اس کرایہ دار کی ہے، معلوم نہیں کیوں بھائی صاحب نے اسے کرایہ پر کمرے دے دیئے تھے، آج دو دن سے عائب ہے، کبھی میں نہیں آتا کہ وہ دراصل ہے کون۔“

”میں نے بھی آج تک اسے نہیں دیکھا۔“ صدر مرزا بولا۔

”اس کا پتہ لگانا ضروری ہے۔“ سلیمانہ بولی۔ ”اگر کہیں سرکاری جاسوس ہوا تو..... شامت ہی آجائے گی۔“

”خیر اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔“ صدر مرزا نے انگرائی لیتے ہوئے کہا۔

”خیر پولیس نے نوٹوں کا حال معلوم کر لیا ہے لیکن شاید ابھی تک اسے سلیم کے صحیح حالات کا علم نہیں۔ ورنہ یہ مکان کبھی کامگیر گیا ہوتا۔“

”نہیں..... اس مسئلے کو لاپرواٹی سے نہ تالو..... تم نے فریدی کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ وہ بڑا خطرناک آدمی ہے جس نے جابر اور لیونارڈ ایسے میں الاقوامی مجرموں کے چکے چھڑا دیئے وہ ہم جیسوں کو کب خاطر میں لائے گا۔“

”اور تم بھی خواہ تجوہ ڈر رہتی ہو جس دن چاقو پڑ گیا خاک و خون میں لوٹا نظر آئے گا۔ ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔“

”خیر بہر حال ہمیں کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔“ سلیمہ بولی۔

پھر خاموشی پھاگئی اور صدر مرزا سلیمہ کو لپھائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

سلیم کا گرگا

ابھی سورج نہیں لکھا تھا۔ کہرے کی چادر ہرشے پر محیط تھی۔ سلیمہ نے ایک طویل انگڑائی لی اور انہوں نہیں۔ دفعتاً باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی۔ سلیمہ نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔ ایک اپنی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ٹھنپنی سیاہ رنگ کی داڑھی میں اس کا خوش رنگ چہرہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کے جسم پر ایک نہایت نیس قسم کا سوت تھا جس پر اس نے ادور کوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر عمده فیٹھ تھی۔

”شاید آپ بانو سلیمہ ہیں۔“ اس نے موبدانہ انداز میں کہا۔

”جی ہاں کہئے۔“

”تکلفات کا وقت نہیں۔“ اس نے چھپے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے اندر آنے دیجئے۔“

سلیمہ تھیر انداز میں پیچھے ہٹ گئی۔ اجنبی اندر چلا گیا۔ سلیمہ بدستور اسے تھیر انداز میں گھوڑے چارہی تھی۔

”گھبرا یئے نہیں بانو۔“ اجنبی بولا۔ ”میں دوست ہی ہوں..... مجھے تھیر کہتے ہیں۔“

”تھیر.....!“ سلیمہ نے حیرت سے ہا۔ ”میں یہ نام آج ہی سن رہی ہوں۔“

”لیکن آپ مجھے صورت سے ضرور پیچانتی ہوں گی۔“ اجنبی نے کہا اور اپنے چہرے سے مصنوعی ڈاڑھی ہٹا دی۔ سلیمہ کی آنکھیں چند صیا اٹھیں۔ کتنا بار عب اور صین چہرہ تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کے حسن کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکی۔

”میں..... میں.....!“ سلیمہ ہکلائی۔ ”م..... مجھے فسوں ہے کہ میں نے اب بھی نہیں پیچانا۔“

”تو شاید آپ نے استاد مر جوم کے ایم میں میری تصویر بھی نہیں دیکھی۔ میں نے آپ کی تصویر دیکھی تھی۔ اسی لئے آپ کو پیچانے میں دشواری نہیں ہوئی۔“

”آپ وضاحت سے اپنے متعلق بتائیے۔“ سلیمہ نے آہتہ سے کہا۔

”میں بھی سے آرہا ہوں..... میں وہاں استاد کے حکم کے مطابق تو نوں کا انتظام کر رہا تھا کہ وہنا ان کی موت کی خبر ملی۔ اس سے ساری تنظیم میں ہچل پڑ گئی۔ میں نے کل رات ہی کو آنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ تو جانتی ہی ہیں۔“

”کیا.....؟“ سلیمہ چوک کر بولی۔ ”میں کچھ نہیں جانتی۔“

”آپ نہیں جانتیں۔“ تھیر نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اس مکان کی گھرانی کی جارہی ہے۔ کل رات بھر یہاں کا مشہور جاؤں فریدی ایک دیوانے کے بیگس میں سامنے والی چائے کی دوکان کے نیچے پڑا رہا۔“

”ارے ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔“ سلیمہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

”اور اس وقت بھی کوئی نکوئی موجود ضرور ہو گا۔ اسی لئے مجھے ڈاڑھی لگا کر آنا پڑا۔“

”آپ نے یہ بہت ہی کارآمد اطلاع دی۔ شکریہ۔“

”میں استاد کی موت کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے بھجا گیا ہوں..... اوہ..... اب

میں اجازت چاہتا ہوں۔“

”چائے تو پی جیجے۔“

”نہیں..... آپ کو تھوڑی تکلیف دوں گا۔ آج شام بھج سے آرچوں میں ملئے۔ چند ضروری
باتیں کرتا ہیں۔ یہاں میرا زیادہ دیر تھبہ نا مناسب نہیں اور ہاں ہر اسال ہونے کی ضرورت نہیں،
آپ کے رکھ رکھاؤ سے یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ آپ خفیہ پولیس والوں کی مصروفیات سے
واقف ہیں۔ اگر میں نے حالات دگر گوں دیکھئے تو آپ کو نکال لے چلوں گا۔ ایک بات اور وہ
یہ کہ بقیہ ساتھیوں کو ابھی میرے متعلق علم نہ ہونے پائے۔ شام کو گفتگو کرنے کے بعد اگر اس کی
ضرورت کبھی گئی تو انہیں مطلع کر دیا جائے گا..... ورنہ نہیں۔“ تسویر خاموش ہو گیا۔ پھر مصنوعی
ڈاڑھی پہنچے پر لگائی اور ہیئت لیتا ہوا بولا۔ ”بھولنے گا نہیں..... شام سات بجے آرچوں میں۔“
”بہت اچھا..... میں ضرور آؤں گی۔“

وہ باہر نکل گیا۔ سلیمہ کھڑکی سے اسے دیکھتی رہی۔ چلنے کا انداز کتنا پر وقار تھا۔ اس نے سوچا
اور دیکھا کہ دھلتا ایک دبلا پلا آدمی ایک کینے سے مکلا اور تسویر کا پیچھا کرنے لگا۔ سلیمہ کے دل کی
دھڑکن تیز ہو گئی۔ لیکن تسویر..... وہ سڑک کے کنارے اور اُدھر بھکتا پھر رہا تھا۔ سلیمہ بے اختیار
مسکرا پڑی۔ ”کتنا چالاک ہے؟“ سلیمہ نے آہستہ سے کہا اور کھڑکی کا پرده گرا دیا۔ عسل خانہ سے
واپس آ کر اس نے چوکیدار کو بلوایا۔

”ارے..... وہ چار نمبر والا رات کو آیا ہے؟“ اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

”ہاں لی لی جی..... وہ دو بجے رات آیا تھا..... اور چار بجے واپس چلا گیا۔“

”ہونہے..... اچھا تم جاؤ۔“ سلیمہ نے کہا۔

چوکیدار چلا گیا اور وہ سوچ میں پڑ گئی۔ آخر یہ کرایہ دار کون ہے۔ اتنی پر اسرار حرکتوں کا
مطلوب..... آخر کس طرح اس کا پتہ لگایا جائے۔ جب اس کے انتظار میں رات بھر جائی رہتی
ہے تو وہ آتا ہی نہیں۔ کیا کیا جائے.....؟ سلیمہ نے ناشہ کیا اور دیکھ اس عجیب و غریب کرایہ
دار کے متعلق سوچتی رہی۔ آخر دو دو کوں ہے کیا اس نے بھاری جرم کیا ہے کیا وہی تو اس کے بھائی
کا قائل نہیں۔ پھر اسے تسویر کا خیال آیا..... کس صفائی سے اس نے بھیں بدل رکھا تھا اور کتنا
چالاک تھا۔ وہ اس چھوٹی سی عمر میں اتنا تجربہ کا رہا..... اس نے اس کی موجودگی میں ایک سکون

محسوں کیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اچانک ایک سہارا مل گیا ہو۔ کاک نے بارہ بجائے۔ اس کی بینجمنی بڑھ گئی۔ ابھی پورے سات گھنٹے ہیں۔ اسے ایک ایک منٹ پہلاز معلوم ہونے لگا۔ تصور کی دلاؤ دیز مسکرا ہے، لبھ کی زماہت، تہذیب یا فتح الطوار، وہ سوپنے لگی کہ تصور ضرور کسی اوپنجی سوسائٹی کا فرد ہے۔ مگر وہ اس گروہ کے چکر میں کیسے پہنچ گیا۔ وہ ضرور اس کے ساتھ بسمی چلی جائے گی۔ اس دوران میں اس نے تھے جانے کتنے ہوائی قلمی بنادا۔ پھر اسے صدر مرزا یاد آیا۔ جو کچھ دنوں سے اس میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ ذیل، قائل، اس کی ناک پر تغیر آمیز شکنیں ابھر آئیں جب سے وہ اس گروہ میں شامل ہوا تھا، پے در پے مصیتیں نازل ہو رہی تھیں۔ پندرہ سال سے ہر کام خوش اسلوبی سے انجام پار رہا تھا۔ مگر پہلے کام کی قوعیت ہی دوسری تھی۔ اس توٹ بنانے والے جنمجنث میں اس کے بھائی کو پھسانے والا بھی تھا۔ لیکن بھائی صاحب نے آج تک یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کا گروہ اتنا منظم ہے اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلانا ہوا ہے۔ بسمی کے کچھ لوگوں کا تذکرہ ضرور ہوا تھا لیکن انہیں وہ معمولی قسم کے بدمعاش بھیجی ہوئی تھی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ان میں تصور جیسے ذہین اور پڑھنے لکھنے آدمی بھی موجود ہیں۔ وہ دن بھر پلٹگ پر پڑی اونٹھتی رہی۔ غنوڈگی کے کیف آور دھنڈ لکے میں بار بار تصور کا چہرہ ابھرتا۔ اس کی لوچدار مگر سردان وقار کی حامل آواز بار بار کافنوں میں گونخ اٹھتی۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف بھکلنے لگا۔ وہ اٹھی اور اپنی بہترین پوشش کھال کر آئینے کے سامنے بھیج گئی اور پھر ساڑھے چھ بجے وہ گھر سے روانہ ہو گئی۔ آرچنڈ کے ہال میں داخل ہو کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ایک بیرا اسے اپنی طرف آتا دھکائی دیا۔

”میم صاحب اس طرف.....!“ اس نے اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

سلیم اس کے ساتھ چلتے گئی۔ وہ ایک کیمین کی طرف اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ سلیم پر وہ ہٹا کر اندر داخل ہو گئی۔ تصور بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کمزرا ہو گیا۔

”مجھے شاید کچھ دیر ہو گئی۔“

”نہیں تو۔“ سلیم نے مسکرا کر کہا۔ ”ٹھیک سات بجے ہیں۔“

سلیم بیٹھ گئی۔ تصور نے باہر کھڑے ہوئے ہیرے کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔ سلیم اسے

بہت غور سے دیکھ رہی تھی، تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی پاتوں کے بعد سوری نے پوچھا۔ ”میں بک کے حادثے کے متعلق تفصیل کے ساتھ سننا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی معلومات سے آپ کے بیان کا مقابلہ کرنا ہے۔“

”بھائی صاحب نے بک کا دروازہ کھول دیا۔“ سلیمان نے دیکھی آواز میں کہنا شروع کیا۔

”صفدر مرزا اور دوسرے آدمی جعلی نونوں سے مجری ہوئی کار لے کر پہنچ۔ لیکن اس وقت آمد و رفت زیادہ ہونے کی وجہ سے موقع نہیں تھا لہذا وہ کار ایک طرف کھڑی کر کے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد فتحا ایک آدمی اس کار کو لے جھاگا۔ صفردار اور اس کے ساتھی گھبرا گئے۔ بمشکل تمام وہ لوگ ایک دوسری کار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے اس کا پوچھا کرنا شروع کر دیا۔ دل اور پورے بک وہ اس کا تعاقب کرتے رہے۔ پھر اچانک معلوم نہیں اس کار کو زمین کھا گئی یا آسان نکل گیا۔ صفردار وغیرہ اس آدمی کو ڈھونڈتے ہوئے سعید نامی ایک زمیندار کے یہاں گھس گئے۔ وہاں انہیں کچھ شبہ ہوا اور وہ معمولی پوچھ پوچھ کر کے لوٹ آئے۔ چونکہ انہیں شبہ ہو چکا تھا اس لئے گھات میں لگ رہے۔ وہ آدمی دراصل وہیں تھا۔ جب یہ لوگ دوبارہ اس گھر میں گئے تو وہ نکل کر جھاگا۔ یہ سب اتنی خاموشی سے ہوا کہ سعید اور اس کی بیوی کو خبر بک نہ ہو سکی۔ وہ بھاگ رہا تھا اور یہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ صفردار مرزا کے ہمراہ ہیوں میں اس کا جزو اس بھائی انور مرزا بھی تھا۔ اگر آپ دونوں کو ایک جگہ دیکھ لیتے تو آپ یہ اندازہ نہ لگا سکتے کہ کون صفردار ہے اور کون انور۔ کچھ اسی مشابہت تھی دونوں میں۔ انور مرزا دوڑتے وقت اپنے ہمراہ ہیوں سے کچھ آگے نکل گیا۔ فتحا صفردار مرزا نے اس بھاگتے ہوئے آدمی کو چاہو کھینچ مارا۔ اتفاقاً انور مرزا درمیان میں آگیا۔ اس کے گرتے ہی ان لوگوں کے ہاتھ پر پھول گئے۔ یہ اسے دیکھنے میں لگ گئے اور وہ آدمی غائب ہو گیا۔“

”اُسکی بعد کے حالات مجھے معلوم ہو چکے ہیں۔“ سوری بولا۔ ”صفدر نے سعید کو چھوڑ کر ایک بھاری غلطی کی۔ پویس تو یوں بھی اس کی علاش میں تھی، اسے تو نکالنے ہی لگا دینا چاہئے تھا۔“

”لیکن وہ ایک اور قتل کرتا۔“ سلیمان نے کراہت سے کہا۔

”قتل و غارت گری تو مجھے بھی پسند نہیں لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ خیر۔“

تو وہ کار آج تک نہ مل سکی۔ ”تغیر نے کہا۔

”نہ معلوم وہ آدمی کون تھا اور اس کار کو کہاں لے گیا۔“

”سناری مصیبیں محض صدر مرزا کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ استاد کو اسے گروہ میں شامل نہ کرنا چاہئے تھا۔“

”کیوں..... اس کی وجہ سے کیوں.....؟“

”اس لئے کہ ایک آدمی رُگون ہی سے اس کے پیچے لگا ہوا تھا۔“ تغیر نے کہا۔
”کون.....؟“ سلیمانہ چوہک کر بولی۔

”وہی آپ کا پر اسرار کرایہ دار۔“ تغیر نے کہا۔

سلیمانہ اچھل پڑی۔

”لیکن گھبرا یے نہیں۔“ تغیر نے کہا۔ ”اب اس کا وقت قریب آ گیا ہے۔“
”وہ..... آخر ہے کون؟“

”ایبھی بتاتا ہوں..... ہاں وہ گنگولی کا معاملہ کیا تھا.....؟“

”ارے آپ آخر کیا کیا جانتے ہیں۔“ سلیمانہ حیرت سے بولی۔

”محض انہی معلومات اور اسی صلاحیت کی بناء پر فریدی سے مکرانے کا ارادہ کیا ہے۔“ تغیر
مکرا کر بوا۔

”گنگولی کا معاملہ بھی ایک معہد ہے۔ وہ بھائی صاحب کی کمرے میں گیا اور پھر واپس نہیں لوٹا۔“
تغیر مکرانے لگا۔

”یہ بھی آپ کے کرایہ دار ہی کی ایک معمولی سی بازی گری تھی۔“

”یعنی..... آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ وہ ہے کون؟“

”وہی جو نوٹوں سے بھری ہوئی کار لے اڑا..... وہی جو کاشانہ شمشیر سے سعید کی بیوی کو
نکال لے گیا۔“

”یعنی کہ..... وہ..... وہ.....!“ سلیمانہ ہکلائی۔

”بھی ہاں..... کور شمشیر بھادر۔“ تغیر نے کہا۔ ”صدر سے اپنا انتقام لینے پر خلا ہوا ہے۔“

”تو کیا..... جج وہ بچ گیا تھا۔“

”مجی ہاں۔“

سلیمان خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ہوا نیا اڑ رہی تھیں۔

”تو وہ کسی وقت بھی پولیس کو اس کی اطلاع دے سکتا ہے۔“

”آپ گھبرا یے نہیں..... جب تک صدر بالکل اس کے قابو میں نہ آ جائے گا وہ کچھ نہ کرے گا۔ شاید اسے ذر ہے کہ پھر صدر اسے دھوکہ دے کر کہیں اور فرار نہ ہو جائے۔“

”مگر آپ کی معلومات کی داد دینی پڑتی ہے ایک ہی دن میں.....؟“ سلیمان نے کہا۔

”ابھی کیا دیکھا ہے آپ نے..... شاید فریدی کی موت مجھے یہاں لے آئی ہے۔“

”مگر میں تمہیں..... اور..... آپ کو خون نہ کرنے دوں گی۔“

”نہیں..... آپ مجھے تم ہی کہہ کر حاطب کریں، نجانے کیوں بد اچھا معلوم ہوتا ہے۔“

سلیمان شرم انگی۔ تھویر اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

”آپ ان سب معاملات کو چھوڑ یے مجھے کسی طرح ان خطرات سے نکال لے چلے۔ میں

بہت پریشان ہوں۔“

”وہ تو آپ چیں ہی گی میرے ساتھ۔ لیکن میں ان نوٹوں کو پولیس کے قبضے میں ہرگز نہ جانتے دوں گا۔ میں انہیں ششیر سے الگوا کر ہی رہوں گا۔“

”اچھا تو آج رات کو صدر مرزا کو بلاو لجھے گا۔ میں تقریباً ایک بیجے آؤں گا۔ آج ہی ہمیں ششیر کا فیصلہ کرتا ہے۔“

”تو کیا قتل.....؟“ سلیمان خوفزدہ آواز میں بوی۔

”نہیں..... وہ آپ کی جو تیوں کے طفیل فتح جائے گا۔“

”تو پھر کیا کہجے گا.....؟“

”اس سے سارے نوٹ حاصل کر کے اسے کہیں قید کر دیں گے اور ہم لوگ نکل چلیں گے۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“

”صدر کو بلاو لجھے گا۔“ تھویر نے کہا۔ ”لیکن ہاں اسے میرے متعلق تو بتا دیجئے گا لیکن

شیخر کا تذکرہ اس وقت تک نہ آتے جب تک کہ میں وہاں پہنچ جاؤں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جلد بازی سے کام لے اور سارا کھیل بگڑ جائے وہ کچھ یوقوف تم کا آدمی ہے۔“

”بہت اچھا..... تو پھر میں ایک بجے آپ کا انتظار کروں گی۔ لیکن دیکھنے اپنے وعدے سے پھر نہیں گا۔ اب مجھے میں لا شیں دیکھنے کی تاب نہیں رہ گئی۔“

اندھیرا....اجالا

تویر، صدر اور سلیمہ آہستہ آہستہ کرہ نمبر ۲ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کرایہ دار ایک لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ تویر نے سنجوں کا ایک پچھا نکالا اور یکے بعد دیگرے سنجھاں لکانے لگا۔ ایک سنجھی سے تالا کھل گیا۔

”دیکھئے.....!“ تویر نے سلیمہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”ہم لوگ اندر جاتے ہیں۔ آپ تالا لگا کر اپنے کمرے میں چلی جائیے۔“

”نہیں..... میں بھی اندر ہی چلوں گی۔“

”تو پھر کام ہو چکا۔“ تویر نے جھلا کر کہا۔ ”وہ تالا کھلا دیکھ کر اٹھے ہی چیر واپس چلا جائے گا۔“

”تویر ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ صدر یولا۔

”اگر کچھ گڑ بڑ ہوئی تو.....؟“

”تو آپ کی موجودگی اس گڑ بڑ کو روک دے گی؟“ تویر نفس کر بولا۔

”دیکھئے..... نہیں۔“ سلیمہ چل کر بولی۔

”میں جو کہہ رہا ہوں وہ کہجھ۔“ تویر نے تکمانہ لجھے میں کہا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے اور سلیمہ باہر سے تالا لگا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اندر اندھرا

ہما۔ تنویر نے تاریخ جلائی۔

”میرا خیال ہے کہ ہم اس پلٹک کے نیچے چھپ جائیں۔“ تنویر نے کہا۔ ”اس کے چاروں طرف لگی ہوئی چادر ہمیں اچھی طرح چھپا لے گی۔“
دونوں پلٹک کے نیچے چھپ گئے۔

کلاک نے دو بجائے اور تھوڑی دیر بعد برآمدے میں پیروں کی آہٹ ہوئی۔ تالے میں کنجی گھونٹنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھوا لگیا۔ پھر بند کر کے پچھی چڑھادی گئی اور پھر کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔ صدر نے چار پائی کی چادر ذرا سی سکھ کالائی۔ ایک بھاری بھرکم آدمی ان کی طرف پشت کے کھڑا تھا۔ تنویر آہستہ سے پلٹک کے نیچے سے نکلا اور پستول کی نال اس کی گردان سے لگا دی۔ وہ چونکہ پڑا۔

”خبردار جنتش نہ ہو۔ ورنہ بلی دب جائے گی۔“ تنویر آہستہ سے بولا۔ صدر مرزا بھی آکر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس آدمی کے جسم پر خوف کی وجہ سے لرزہ طاری ہو گیا۔
”صدر یہ لو۔“ تنویر نے ایک پلٹکی اور مضبوط رسی جیب سے نکال کر صدر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”مشیر بہادر کو نہایت احتیاط سے جکڑ دو اور تم مشیر بہادر چپ چاپ اس کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ چلو۔“

مشیر بہادر کو کرسی سے جکڑ دیا گیا۔

”وہ کار کہاں ہے مشیر جی۔“ تنویر نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔“

” بتاؤ۔“

”میں نہیں جانتا کون سی کار۔“

”یہ ایسے نہیں بتائے گا۔“ تنویر نے جیب سے ہھڑکیوں کا جوزا نکلتے ہوئے کہا۔ ”لو۔“ میاں صدر اسے اپنے ہاتھوں میں پکن لو۔“

”کیا مطلب۔؟“ صدر چونکہ کر بولا۔

”جلدی کرو۔۔۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ تنویر نے تھکمانہ لجھ میں کہا۔

"نہ جانے تم کیا کہر ہے ہو.....؟" صدر تیز لجھے میں بولا۔

"فریدی پر چاقو سے حملہ کر کے نج کلنا آسان کام نہیں ہے صدر صاحب۔" توبیر نے پستول کا رخ صدر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"دھوکا..... دھوکا۔" صدر غصے میں چینا۔ "کمی سیلمہ نے خداری کی۔"

"نہیں..... وہ غریب خود بھی دھوکا کھا گئی۔ وہ اس وقت سرجنت حمید اور جکل لش کے قبضے میں ہو گئی اور تمہارے سارے گر گے، جو اس عمارت میں موجود ہیں تمہاری ہی طرح حرمت سے ایک ایک کامنے تک رہے ہوں گے۔"

شیشیر بہادر نے ایک زور دار قیچہ لگایا۔

فریدی نے اپنے ہوت اور ناک پر چکے ہوئے پلاسٹک کے گلے نوچے شروع کر دیے۔ توبیر کا بیک اپ ثم ہوچکا تھا اور فریدی اپنی صحیح شکل و صورت میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ دھنٹا دروازے پر دستک ہوئی۔ فریدی پستول کی نال صدر کی طرف کئے ہوئے دروازے کے قریب آیا اور چھپنی گردی۔ جکل لش اور حمید سیلمہ کو پکڑے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"حمد صدر مرزا کے ھھکڑیاں لگادو۔" فریدی نے کہا۔

حمد نے آگے بڑھ کر صدر مرزا کے ھھکڑیاں لگادیں۔

"سیلمہ تمہیں حرمت ہو رہی ہو گی۔" فریدی مسکرا یا۔

"آج زندگی میں میں نے پہلی بار دہرا بھیں بدلا۔ جو موقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ اگر میں تمہیں دھوکا نہ دیتا تو صدر میاں پر ہاتھ پڑنا ہی مشکل تھا اور صدر مرزا تم سنو..... کل رات کاشانہ شمشیر میں شمشیر بہادر نہیں، میں ہی تھا۔ مگر اہٹ میں تم نے وہیں اقبال جم کر لیا اور کل نی رات کو میں نے صدر دروازے کے سامنے والی چائے کی دکان کے نیچے پڑے پڑے شمشیر بہادر کو بھی دیکھا تھا اور سیلمہ تم ڈرو نہیں۔ میں نے توبیر کے بھیں میں جو وعدہ تم سے کیا تھا اسے ضرور پورا کروں گا۔ تم بچالی جاؤ گی۔ لیکن اس کے لئے تمہیں گواہ بننا پڑے گا اور تم شمشیر بہادر، تم نے تو یہ مشہور کرکھا تھا کہ تمہارا کوئی دارث ہی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شمشیر نے کہا۔ "اس وقت واقعی مجھے معلوم نہیں تھا۔ یہ تو اچاک مجھے معلوم

ہوا کہ میرے ایک سوتیلے چھا بچپن ہی میں ناراض ہو کر گھر سے چلتے گئے تھے۔ میں نے پہ لگانا شروع کر دیا تو معلوم ہوا کہ وہ مر چکے ہیں لیکن ان کے دو لڑکے صدر مرزا اور انور مرزا اب بھی رجعون میں موجود ہیں۔ رجعون چنچا۔ خفیہ طور پر ان کا پہ لگایا۔ صدر سے دوستی کر کے اس کے چال چلن کا پہ لگانا شروع کیا۔ کسی طرح اس کو میری اصلاحیت معلوم ہو گئی۔ اس نے جلد سے جلد میری ریاست کا مالک بن جانے کے لائق میں مجھے قتل کرنا چاہا۔ مجھے چھٹی کا ڈکار کھلانے کے بھانے لے گیا اور کشتی پر مجھے گولی کا نثارہ بنایا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو دریا کے کنارے ایک گاؤں میں پڑا پایا۔ گولی میرے بازو میں لگی تھی، زندگی تھی، جوڑوب کرنیں مرائیں نے صدر سے انتقام لینے کی خواہی۔ اپنی موت کی خبر میں نے ہی اخباروں میں شائع کرائی تھی۔ صدر کا چھپا کرتا ہوا میں ہندوستان آیا۔۔۔۔۔۔ یہاں آ کر اس نے سلیم سے ساز باز کی اور جعلی نوث بنانے لگا۔“

”اس کے آگے مجھے معلوم ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ بتاؤ کہ سلیم کیسے مرا۔۔۔۔۔۔“

”سلیم بیک کا دروازہ کھول چکا تھا۔ تو نوؤں والی کار بھی آچکی تھی۔ اتفاق سے میں شروع ہی سے چکھے لگا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ کہیں یہ لوگ کامیاب نہ ہو جائیں۔ لہذا میں نے جلدیش صاحب کو گنگوہی کی طرف سے فون کیا اور آپ کو سلیم کی طرف سے۔ اور خطرے کا الارم بجا کر گھبراہٹ میں سلیم کو چھینتا ہوا اوپر لے گیا۔ راستے میں اس کا سردیوار سے گمرا کر زخمی ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے محسوں کیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ میں نے جلدی میں اسے وہیں کھلی چھت پر لٹایا اور خود نیچے بھاگا۔ دیر ہوتی جا رہی تھی۔ شتو الارم سن کر گنگوہی ہی نیچے آیا تھا اور نہ پولیس کا ہی پہ تھا۔ میں نے سبکی مناسب سمجھا کہ کار لے کر فرار ہو جاؤ۔ کار اب بھی دلاور پور میں حفاظ ہے۔۔۔۔۔۔ پھر میں۔۔۔۔۔۔“

”گنگوہی کو کیا ہوا۔۔۔۔۔۔؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میں نے اسے چھپا رکھا ہے۔۔۔۔۔۔“

”کیوں۔۔۔۔۔۔؟“

”میں نے مجبوراً ایسا کیا تھا۔ گنگوہی سلیم کی موت کے بعد اس کے کمرے کی ٹلاٹی لینے“

آیا۔ یہاں ایک کاغذ پر بے شمار نوٹوں کے نمبر لکھتے ہوئے ملے۔ وہ مجھے گیا کہ سلیم نے کس مقصد سے بُنک میں توکری کی تھی۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ اپنا شہر ظاہر کر کے اس کی پبلیشی نہ کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو صدر مرزا جو چھپ کر نوٹوں والی کار تلاش کر رہا تھا اس شہر ہی سے فرار ہو جاتا اور میں اس سے انتقام نہ لے پاتا اور گلگولی دلا دو پور کے ایک ماہی گیر کے جھونپڑے میں اب بھی موجود ہے۔“

”تم نے اسے بند کر کھا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”خیس دہ اپنی خوشی سے دہاں مقیم ہے، لیکن میں نے اسے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ پولیس کو اس پر شہر ہے اور اس کا وارث گرفتاری بھی جاری ہو چکا ہے۔“

”بہر حال تمہیں بھی اپنے کو قیدی ہی سمجھنا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ تم عدالت سے بری ہو جاؤ۔ تم پر پہلا چارج تو یہ ہے کہ تم نے سلیم کو بیہوٹی کی حالت میں ساٹ چھٹ پر چھوڑ دیا اور ایک ہی کروٹ اسے نیچے لے آئی۔ دوسرا چارج یہ کہ تم نے جعلی نوٹوں کو فوراً ہی پولیس کے حوالے کر دینے کی بجائے اتنے دنوں تک اپنے قبضے میں رکھا۔ تیسرا چارج یہ کہ تم نے ایک بے گناہ شہری کو دھوکہ دے کر اتنے عرصہ تک نظر بند رکھا۔“

شمیشہ بہادر خاموش تھا۔

”میاں حمید اور بھائی جگدیش۔“ فریدی نہیں کر بولا۔ ”دیکھا تم نے آخر سعید اور اس کی بیوی بے داش چھوٹ گئے۔“

تمام شد